روح کے بندھن

روح کے بندھن

زلیخا حسین

بیٹی ___ آج کالج مت جاؤ۔

کیوں ماں ___ آج کیا ہے؟

مہمان آنے والے ہیں۔

سمجھی ___ وہ منہ پھلا کر بولی ___ آج پھر میری نمائش ہوگی۔

ماں ___ کیوں اس طرح بار بار میرا تماشہ بنا رہی ہو۔ میں نے کہہ دیا نہ کہ میں شادی نہیں کروں گی۔

ایسا نہیں کہتے بیٹی۔ بی۔ اے کا یہ تیرا آخری سال ہے۔ پڑھائی ختم ہونے کو ہے۔ اب تیری شادی ہو جانی چاہئے۔

بہت ضروری نہیں ہے ماں۔ وہ مسکرا کر بولی۔ پھر بی۔ اے کے بعد آگے بھی تو پڑھا جا سکتا ہے۔

تم اور آگے پڑھوگی۔ ماں نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں ___ بہت کوشش کر رہی ہوں فرسٹ کلاس میں گریجویٹ بن کر وکالت پڑھنا چاہتی ہوں۔

خیر یہ تو بعد میں سوچنے کی باتیں ہیں۔ وہ لوگ آج تجھے دیکھنے کے لئے آ رہے ہیں۔ لڑکا خود بھی آئے گا۔

پہلے بھی تو دو پارٹیاں مجھے دیکھنے کے لئے آ چکی ہیں۔ مگر سودا پکا نہیں

ہو سکا۔ اب کی بار بھی وہی ہوگا۔

نہیں فوزیہ میرے بچپن کی سہیلی ہے۔ وہ روپیہ پیسہ کی مانگ نہیں کرتی بس لڑکے کو اور اس کے باپ کو لڑکی پسند آجانی چاہیے۔ میری بیٹی تو چاند کا ٹکڑا ہے۔ کیسے پسند نہ آئے گی۔ میں نے فخر سے اپنی چاندسی بیٹی کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

مگر ماں میری پڑھائی کا کیا ہوگا؟ میں نے تو بہت کچھ سوچا ہے۔

کیا سوچا ہے؟ کیا سوچا ہے؟

وکیل بن کر خوب کماؤں گی، ہم ٹھاٹھ سے رہیں گے۔ میری امی کو پھر اس طرح کام نہیں کرنا پڑے گا۔ آپ کے لئے میں ایک بڑی سی موٹر بھی لے لوں گی۔

پگلی۔ ماں کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو آ گئے۔ اری کیا کرو گی یہ سب۔ میری شانو بیٹی سکھی رہے۔ زندگی میں دنیا بھر کی نعمتیں ہوں۔ بس میرے لئے اس سے بڑھ کر اور خوشی کیا ہو سکتی ہے۔ بیٹی عورت کی زندگی کا صحیح سکھ کسی کا گھر بسانے میں ہے۔ خدا کرے یہ رشتہ پکا ہو جائے۔ لڑکے کا باپ امیر آدمی ہے۔ راج کرے گی تو......

ساتھ والے کمرے سے ابو کے کھانسنے کی آواز آئی تو ماں ادھر چلی گئی۔ لڑکے کا باپ امیر آدمی ہے۔ ماں کی یہ بات اس کے کانوں کو بہت اچھی لگی۔ اس کا دل خوشی سے جھومنے لگا۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے مدتوں کے بعد دیکھے خواب کی تعبیر ملنے والی ہو۔

اپنی کلاس فیلو لڑکیوں کے ٹھاٹھ دیکھ کر اُسے اپنی کم مائیگی کا ہمیشہ بری

طرح احساس ہونے لگتا تھا۔ بہت سی خواہشیں تھیں، ارمان تھے، جو دل میں گھٹ کر رہ جاتے تھے۔ وہ کس سے کہے۔ ایک ماں کی کمائی سے گھر کا خرچ چلتا ہے۔ اس کی پڑھائی کا خرچ اور آئے دن روگی باپ کے علاج معالجہ کا خرچ۔ اس کی ماں اپنے کمزور کندھوں پر یہ سارے بوجھ اٹھائے ہوئے تھیں۔ ماں سے وہ اپنی کسی دلی خواہش کا اظہار نہ کرسکتی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ ماں خود اپنی حیثیت کے مطابق اس کی ضروریات کا بڑا خیال رکھتی تھیں۔

کاش میرا باپ کسی قابل ہوتا۔ جب بھی اسے یہ خیال آتا لاشعوری طور پر اُس کے دل میں اپنے اپاہج باپ کے خلاف سخت بیزاری کے جذبات جنم لینے لگتے۔

شانو ___ ماں نے پُکارا۔

جی امّی ___ وہ اٹھ کر باہر آئی۔

امّی دکان پر جانے کے لئے تیار ہو کر کھڑی ہیں۔ اسے دیکھتے ہی بولیں میں تھوڑی دیر کے لئے دوکان پر جارہی ہوں۔ تم ذرا رسوئی کا دھیان رکھنا دلاری ہے کام چور۔ اُس کے سر پر ہمیشہ سوار رہنا پڑتا ہے۔ تب کام آگے بڑھتا ہے۔

میں دیکھ لوں گی امّی۔ آپ بے فکر رہئے۔ اس نے جواب دیا اور جانے کو مڑی تو ماں نے کہا اور سنو۔ عادل نے ابھی تک دودھ نہیں پیا ہے ایک گلاس گرم دودھ پلا دینا۔

امّی ابّو کا کوئی کام مجھ سے نہ کہئے گا۔ آپ کے علاوہ اور کسی کے ہاتھ

کی بنی ہوئی کوئی چیز انہیں اچھی نہیں لگتی۔ دودھ زیادہ گرم ہوگیا یا چینی ڈالنے میں کمی بیشی ہوگئی۔ تو غصہ آجائے گا اور چیخنے لگیں گے مجھے ڈر لگتا ہے۔

ماں کی آنکھوں میں لمحہ بھر کیلئے ویرانی سی چھا گئی۔ پھر دوسرے ہی لمحہ وہ اپنی شفیق مسکراہٹ سے بولیں۔ ان کی باتوں کا بُرا نہ مانا کرو بیٹی! ناساز طبیعت نے انہیں چڑچڑا بنا دیا ہے۔ پہلے وہ ایسے نہیں تھے۔

مگر مجھے ڈر لگتا ہے۔

اپنے ابّو سے ڈر لگتا ہے۔ اری پگلی وہ تو تجھ پر جان چھڑکتے ہیں۔ وہ ایک بار مجھ سے شکایت بھی کر رہے تھے کہ تم ان کا کوئی کام نہیں کرتیں انہیں تو دلاری کے بے ڈھنگے کاموں پر غصہ آجاتا ہے۔ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔

اچھا ماں وقت پر اُن کے کمرے میں دودھ پہنچا دوں گی۔ اس نے بے دلی سے کہا۔

مگر تم خود لے جانا۔ دلاری کے ہاتھ مت بھیجنا۔ پارہ چڑھ جائے گا۔

میں خود ہی لے جاؤں گی۔

شاباش۔ میری بیٹی بہت اچھی ہے۔

شان جب دودھ کا گلاس لئے ابّو کے کمرے میں پہنچی تو وہ بستر پر آنکھیں بند کئے پڑے تھے۔

ابّو___ اس نے بہت ہلکی آواز میں پکارا مگر جواب نہیں ملا۔ سو رہے ہیں۔ اچھا ہی ہوا۔ اس نے دل میں سوچا اور گلاس میز پر رکھ کر وہ جانے کو مڑی تو وہ کھانستے ہوئے جاگ اُٹھے۔

شان___ بیٹی تم۔

دودھ لائی ہوں ابو ___ پی لیجئے۔

لاؤ بیٹے ___ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

جب اس نے گلاس اُن کے ہاتھ میں تھما دیا تو ان کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ گلاس ابھی ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔

ابو ___ میں پلا دوں۔

نہیں بیٹی ___ میں پی لوں گا۔ یہ کپکپی برسوں سے ہے۔ ان ہاتھوں سے کوئی اور کام نہیں ہوتا۔ مگر کھا پی لیتا ہوں۔ زندگی کیلئے کھانا پینا بہت ضروری ہے نا ___ یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا دیئے۔ ایک پھیکی مسکراہٹ آنکھوں میں عجیب درد بھرا ہوا تھا۔

لو بیٹی ___ خالی گلاس بڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا۔

شان نے گلاس اُن کے ہاتھ سے لے لیا اور جانے کو مڑی تو انہوں نے پوچھا۔ آج تم کالج نہیں گئیں۔

امّی نے جانے نہیں دیا ابو۔

کیوں ___ آج کیا خاص بات ہے۔

آپ کو تو معلوم ہو گا۔ پھر کیوں پوچھتے ہیں۔ اُس نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

معلوم تو ہے مگر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میری بیٹی کی مرضی کیا ہے؟

جو امی کی مرضی وہی میری۔ یہ کہہ کر وہ جانے لگی تو وہ بولے۔ بیٹی یہ بھاگنے کی کیا جلدی ہے۔ بیٹھو نا تھوڑی دیر میرے پاس۔

۔۔۔ گلاس میز پر رکھ کر باپ کے پلنگ پر آ کر بیٹھ گئی اور وہ بڑے

پریم اور شفقت سے بیٹی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

ابو۔آپ نے آج دوا نہیں پی ہے۔

نہیں بیٹی۔آج تیری ماں بہت خوش ہے نا۔اس لئے بھول گئی۔

ابو نے مسکرا کر کہا۔

آپ نے یاد دلادیا ہوتا۔

میں کب دوا پینا چاہتا ہوں جو یاد دلاتا۔

کیوں ابو ___ دوا نہیں پئیں گے۔تو طبیعت کیسے اچھی ہوگی؟

ہو چکی اب طبیعت اچھی۔صحت مند ہونا تو میرے لئے خواب جیسی بات ہے۔تیری ماں پگلی ہے۔سمجھتی نہیں۔خواہ مخواہ میرے علاج پر پیسہ برباد کرتی ہے۔

ایسا نہ کہئے ابو۔آپ اچھے ہو جائیں گے۔امی اسی لئے ڈاکٹر بدل بدل کر علاج کرا رہی ہیں۔جانے وہ مسیحا کون ہو جس کے ہاتھ میں اس نے آپ کے لئے شفا رکھی ہو۔

ایک مرض نہیں ہے۔سو شکایتیں ہیں جو برسوں سے میری جان کو چمٹی ہوئی ہیں۔سب سے بڑھ کر تو کھانسی اور بلڈ پریشر نے تنگ کر رکھا ہے۔خدا اپنی مصلحت جانتا ہے۔میں کیا سمجھوں کہ وہ مجھے کیوں زندہ رکھے ہوئے ہے۔ موت آجاتی تو میرے دکھ بھی ختم ہو جاتے اور شبانہ بھی سکھ کا سانس لے پاتی۔

یہ کہتے ہوئے ایک سوگوار مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل گئی۔

امی کو تو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔پھر آپ ایسا کیوں کہتے ہیں۔باپ کی بات انہیں اچھی نہیں لگی۔کتنے سالوں سے اسے دکھ دے رہا

ہوں بیٹی اس نے میری زندگی میں آ کر کوئی سکھ نہیں پایا۔ برسوں سے دن رات میری تیمارداری میں جٹے رہ کر تیری امی نے اپنی صحت بگاڑی۔ گھر کا کام جو اس کے کرنے کا ہے وہ بھی کر رہی ہے اور باہر کا کام جو میرے کرنے کا ہے وہ بھی وہی کر رہی ہے اس طرح وہ کب تک کاموں کی مشین بنی رہے گی۔ یہ سوچتا ہوں تو ...... وہ بات پوری نہ کر سکے۔ اچانک کھانسی کے دورے نے انہیں بے حال کر دیا۔ بڑی دیر تک وہ اپنی سینہ دبائے کھانستے رہے۔

شان مترحم نگاہوں سے باپ کو دیکھتے ہوئے پیٹھ سہلانے لگی۔

جب کھانسی کا زور کم ہوا تو وہ لیٹ گئے۔

ابو ___ کافی بنالاؤں ___ ؟

نہیں اب کچھ نہیں چاہیے۔ انہوں نے کمزور سی آواز میں جواب دیا اور پھر بیٹی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر مسکراتے ہوئے بولے۔ آج میری شانو بیٹی کو پاس دیکھ کر میں بہت خوش ہوں۔

ابو ___ آپ سونے کی کوشش کیجئے۔ کھانسی نے آپ کو تھکا دیا ہے۔

دن رات سوتا ہی تو رہتا ہوں۔ قسمت نے کچھ کرنے کے قابل چھوڑا ہی کب ہے۔ انہوں نے آہ سرد بھر کر کہا۔

ابو ___ آپ یہ سب باتیں سوچنا بند کر دیجئے۔

اچھا۔ بیٹی تم کہتی ہو تو سوچنا بند کر دوں گا۔ قسمت کا لکھا بہر حال پورا ہونا ہی ہے۔ سوچا جائے چاہے نہ سوچا جائے ہوگا وہی جو اس نے سوچ رکھا ہے۔

کیا باتیں ہو رہی ہیں......؟ شبانہ نے کمرے میں داخل ہو کر مسکراتے

ہوئے پوچھا۔ آج بیٹی کو باپ کے قریب بیٹھے باتیں کرتے دیکھ کر اُسے بڑی خوشی ہوئی۔

آج میری بیٹی نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ جی خوش ہوگیا ہے عادل نے مسکرا کر کہا۔

عادل آپ کبھی کبھی بلا وجہ بہت چیختے ہیں نا۔ اسی لئے وہ آپ کے پاس آنے سے ڈرتی ہے۔

میں نے اپنی بیٹی کو تو کبھی کچھ نہیں کہا۔ کیوں بیٹی کبھی بگڑا ہوں تم پر۔

نہیں ابو___ امی یونہی کہتی ہیں۔

امّی۔ ابو نے اتنی دیر یہیں روک لیا تھا۔ رسوئی میں جانے دلاری کیا کر رہی ہوگی۔ شان نے ٹلنے کے خیال سے کہا۔

اب تو میں آ گئی ہوں۔ تم جا کر دلاری کا ہاتھ بٹاؤ۔ مہمانوں کے لئے ناشتہ کا بھی انتظام کرنا ہے۔

یہ مہمان خاتون تمھیں کہاں مل گئیں۔ شان کے جانے کے بعد عادل نے پوچھا۔

تمھیں یاد ہوگا عادل۔ اسکول میں ایک ہی تو میری سہیلی تھی فوزیہ۔

ہاں۔ ہاں۔ جس کے سر کے بال سنہری تھے۔ میں جسے نیلی آنکھوں والی کہا کرتا تھا۔ وہی ایک دن اتفاق سے اپنے کپڑے سلانے کے لئے ہمارے ٹیلرنگ ہاؤس پر چلی آئی۔ برسوں کے بعد دیکھ کر بھی ہم نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ بڑے جوش سے گلے ملی۔ بس اس دن سے برابر دوسرے تیسرے دن دکان پر آ جاتی۔ ایک دن اس نے دکان پر شان کو بھی دیکھ لیا۔ بس فدا

ہوگئی۔اس دن سے کوشش میں لگی ہوئی ہے۔

اتنے دنوں تو میں ٹالتی رہی۔کیا پتہ اس کا شوہر بڑا امیر آدمی ہے۔ اس کی مانگ ہزاروں کی ہوگی۔

مانگ ہوتو کیا ہوا ____ اب تو تمہارے پاس بہت سارا روپیہ جمع ہوچکا ہے۔میرے انداز کے مطابق پندرہ بیس ہزار سے کم نہ ہوگا۔ ہماری ایک ہی تو بیٹی ہے۔اس کے لئے نہیں تو کس کے لئے جمع کررہی ہو۔

آپ کے علاج کے لئے۔

پاگل تو نہیں ہوگئیں۔میرے علاج کے لئے بیس ہزار روپیہ ____ اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

بیس ہزار سے بھی کام نہیں چلے گا۔یہاں کے ڈاکٹروں سے اب میں بددل ہوچکی ہوں۔سوچتی ہوں آپ کے علاج کے لئے امریکہ لے جاؤں۔

شیبا۔مجھے اب میرے حال پر چھوڑ دو۔میرے لئے روپیہ برباد مت کرو۔کتنی محنت سے کمارہی ہوتم۔

تو کیا ہوا ____ میں یہ سب اپنے لئے نہیں کررہی۔شیبا نے چڑ کر کہا۔

میں کب کہتا ہوں۔ ہماری ایک ہی اولاد ہے۔روپیہ اس کے کام آئے گا میرے علاج پر تو آج تک بہت سارا روپیہ برباد ہوچکا ہے۔فائدہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ہونے کی امید بھی نہیں۔جی رہا ہوں پتہ نہیں زندگی کب دم توڑ دے۔

ایسی باتیں کروگے تو میں جاتی ہوں۔مجھ سے یہاں بیٹھا نہ جائے گا۔ شیبا جانے کو اٹھی تو عادل نے ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ابھی نہ جاؤ۔میں

کچھ نہیں کہتا۔

شیبا مسکرا دی۔

تم کتنی اچھی ہو شیبا۔ میں جب بھی سوچتا ہوں کہ میں تمہیں کوئی سکھ نہ دے سکا الٹا دکھ ہی دکھ دیئے جا رہا ہوں۔ تو میری حالت بگڑنے لگتی ہے۔

تو ایسی باتیں سوچتے ہی کیوں ہو؟ میں نے کبھی شکایت کی۔

کبھی نہیں۔ تم ہمیشہ مسکراہٹ لئے میرے پاس آتی ہو تو مجھے لگتا ہے دنیا بھر کی خوشیاں چاندنی بن کر میرے کمرے میں سما گئی ہیں۔ تم کتنی اچھی ہو کاش............

عادل خدا کے لئے آگے دل دکھانے والی کوئی بات نہ کرنا۔ میں سن نہیں سکتی۔ بھوک لگی ہو گی کھانا لے آؤں۔

لے آؤ کھا لیں گے۔ پھر تمہیں مہمانوں کے لئے پر تکلف چائے کا بندوبست کرنا ہے۔ عادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ شیبا کھانا لانے کے لئے چلی گئی۔

شبانہ شام کی چائے عادل کے کمرے کے سامنے والے کمرے میں منگوائی تھی چائے کے ساتھ بہت سے لوازمات بھی تھے۔ مہمان ابھی تک نہیں آئے تھے۔ وہ برآمدے میں کرسی پر ٹیک لگائے بیٹھی ان کا انتظار کر رہی تھی۔

سڑک پر گذرنے والی ہر کار کی آواز پر اس کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ پانچ بج چکے تھے۔ کیا وہ لوگ نہیں آئیں گے۔ یہ خیال آتے ہی اس کا دل بیٹھنے لگتا_____ نہیں وہ ضرور آئیں گے۔ اپنے دل کو تسلی دے کر پھر انتظار۔ ٹھیک چھ بجے دروازے پر کار رُکی۔ وہ آگئے۔ شبانہ نے دل میں کہا اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

فوزیہ کے پیچھے ان کا لڑکا اعجاز کار سے اترا۔

شبانہ بڑے تپاک سے ملی اور دونوں کو اندر لے گئی۔

صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شبانہ نے کہا۔ بیٹھو۔ بیٹے۔

فوزیہ شبانہ کے کہنے سے پہلے ہی بیٹھ چکی تھی۔

اعجاز بھی ماں کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔

پہچان لیا نا۔ تعارف کی تو میرے خیال میں ضرورت نہیں۔ فوزیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شبانہ کی نگاہیں لڑکے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

مضبوط جسم اور حسین خدوخال کا یہ خوبصورت نوجوان اُسے بہت اچھا لگا۔ مہذب اور باوقار بھی لگتا تھا۔ چہرے سے بھی شرافت کا پتہ ملتا تھا۔ میری بیٹی کی جوڑ کا ہے۔ خدایا یہی میری بیٹی کا ساتھی بن جائے۔ میری ترسی ہوئی آنکھوں کو یہ خوشی ضرور دکھا میرے مالک۔ اس نے دل ہی دل میں خدا سے التجا کی۔ اپنے بیٹے کو اس طرح سے دلچسپی سے دیکھتے پا کر فوزیہ مسکرا دی۔

اشفاق صاحب کیوں نہیں آئے۔

انہیں ضروری کام سے اچانک رنگون جانا پڑا۔ کل صبح کی پلین سے گئے ہیں۔ واپسی میں ایک مہینہ لگ جائے گا۔ میں تم سے آنے کا وعدہ کر چکی تھی۔ اس لئے اعجاز کو ساتھ لے کر آ گئی۔

وعدہ پورا کرنے کی بہت خوشی ہوئی۔ دیر ہوئی تو میں نے سوچا شاید تم نہ آؤ۔

وعدہ کر کے کیسے نہ آتی۔ شان بیٹی کہاں ہے۔ کیا کالج سے نہیں آئی ابھی ____

نہیں آج وہ کالج نہیں گئی۔ اندر کمرے میں ہے۔

بی بی جی ____ چائے تیار ہے۔ دلاری نے آ کر کہا۔

چلئے۔ چائے پی لیں۔

فوزیہ اور اعجاز شبانہ کے ساتھ کمرے میں پہنچے۔ جہاں چائے کی میز سجی ہوئی تھی۔

یہاں بھی شان کو نہ دیکھ کر فوزیہ نے کہا۔

شیبا۔ ایسا لگتا ہے شان کو تم نے کہیں الگ کمرے میں بند کر کے بٹھا دیا

ہے۔ بھئی! یہ پرانی رسومات ہمیں پسند نہیں۔

چائے پیو۔ شان آ رہی ہے۔ شبانہ نے مسکرا کر کہا۔ پھر دلاری سے کہا جاؤ۔ شان سے کہو چائے کی میز پر انتظار ہو رہا ہے۔

چند لمحوں کے بعد شان سر جھکائے شرماتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور ذرا جھک کر فوزیہ کو سلام کیا۔ اور ماں کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔

ہلکے سبز رنگ کی ساری میں بغیر کسی میک اپ کے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ چہرہ شرم کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ سمٹی سمٹائی بیٹھی گڑیا سی لگ رہی تھی۔

فوزیہ بڑی شفقت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ اعجاز بھی اُسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔

شان کی بھولی بھالی صورت اسے بڑی اچھی لگی۔ وہ ایسی ہی خوبصورت شرمیلی لڑکی چاہتا تھا۔

چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ شبانہ نے کہا تو اعجاز چونک کر چائے کی طرف متوجہ ہوئے۔

اعجاز بیٹے! لو یہ سموسے کھاؤ۔ فوزیہ تم بھی لو۔ شبانہ نے پلیٹ بڑھاتے ہوئے کہا۔ دونوں نے ایک ایک سموسہ اٹھالیا۔ شان بیٹی تم بھی لو۔ فوزیہ نے مسکرا کر کہا۔ تو شان نے بھی ایک سموسہ اٹھالیا۔

کھانے کے ساتھ ساتھ فوزیہ اور شبانہ باتیں کرتی رہیں۔ شان اور اعجاز خاموش تھے۔ دونوں کی نظریں کبھی ایک دوسرے کی طرف اٹھ جاتیں۔ نگاہ سے نگاہ ملائی جاتی پھر پلکیں خود بخود جھک جاتیں۔ جیسے دونوں نگاہ کے راز

پانے کی کوشش کرر ہے ہوں۔
چائے سے فراغت ہوئی تو شبانہ فوزیہ اور اعجاز کو باہر والے کمرے میں
لے آئی۔
شان نے چپکے سے کھسکنے کی کوشش کی۔ مگر فوزیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
اور اپنے پاس صوفے پر بٹھالیا۔
شبانہ عادل کو چائے پلانے کے لئے اندر چلی گئی۔ تو فوزیہ نے کہا۔
میں بھی ذرا عادل بھائی سے مل آؤں۔ تم دونوں اس طرح خاموش کیوں بیٹھے
ہو بات کرونا ایک دوسرے سے۔ فوزیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور شبانہ کے
پیچھے وہ بھی اندر چلی گئی۔
ایک اجنبی مرد کے ساتھ اپنے کو کمرے میں تنہا پا کر شان بری طرح
گھبرا رہی تھی۔ اس کے چہرے کی سرخی گھبراہٹ زردی میں تبدیل ہو گئی۔
پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔
اعجاز اس کی گھبراہٹ دیکھ کر مسکرا دیا۔ اور بولا۔ ایسے گھبرا رہی ہے
جیسے سامنے اچھا بھلا انسان نہیں کوئی بھوت بیٹھا ہو۔
اعجاز کی بات سن کر وہ مسکرا دی۔ اور دھیرے سے بولی۔ گھبرانا کیسا؟
میں تو اپنے گھر بیٹھی ہوں۔
ٹھیک ہے گھر میں بیٹھی ہیں۔ مگر سامنے ایک اجنبی جو بیٹھا ہے۔ اعجاز
نے کہا۔
اجنبی تو ہو۔ مگر لگتے اپنے ہو۔ شان نے کہا۔ پھر دوسرے
ہی لمحہ شرم سے اٹھی نظریں جھک گئیں۔ کی نظروں

آپ کو پکچر دیکھنے کا شوق تو ہوگا؟ اعجاز نے پوچھا۔
کچھ ایسا زیادہ نہیں۔ امی زبردستی کبھی بھیج دیتی ہیں۔ تو چلی جاتی ہوں۔

تعجب ہے۔ آپ کو پکچر کا زیادہ شوق نہیں۔ آج کل تو ہر ایک عورت کو سینما کا دیوانگی کی حد تک شوق ہے۔

جی ___ میں زیادہ تر اپنی پڑھائی پر توجہ دیتی ہوں...... آخری سال ہے فرسٹ آنے کی کوشش میں ہوں۔

اوہ ___ آگے پڑھنے کا بھی ارادہ ہوگا؟

جی ___ ہے تو سہی۔ مگر امی کی مرضی پر ہے۔ بٹھا دیں گی تو میں کیا کروں گی۔

امی کا ارادہ تو کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ اعجاز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آپ کو کیسے معلوم؟

ہماری امی جان سے کہہ رہی تھیں۔ کہ ان کا ارادہ آگے پڑھانے کا نہیں ہے۔ بلکہ........... وہ شرارت سے مسکرا دیا۔ اب میں کیا کہوں آگے آپ سمجھ جائیں۔

شان نے گھبرا کر اعجاز کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکا ہلکا تبسم تھا اور آنکھوں میں شوخی تھی۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ اس کا چہرہ ایک دم گلنار ہوگیا۔ چند لمحوں کے بعد اس کی نظریں پھر اٹھیں۔ وہ آنکھیں جن میں پیار تھا اپنائیت تھی۔ اب تک اسی انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔

اس کی نظریں پھر جھک گئیں۔ وہ پیار بھری نظریں دل میں اترتی

محسوس ہوئیں۔

شان ــــ ماں نے پکارا۔ تو وہ جانے کو اٹھی۔ نظریں جھکائے دروازے کی طرف بڑھی۔ اتنے میں فوزیہ کی آواز آئی۔ اعجاز تم بھی آؤ۔

اعجاز بھی اٹھ کر شان کے پیچھے ہولیا۔

باپ کے کمرے کے دروازے پر اعجاز کو چھوڑ کر وہ چپکے سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔

آؤ بیٹا ــــ عادل نے پرتپاک لہجہ میں کہا۔ دروازے پر ہی کیوں رک گئے۔

اعجاز اندر داخل ہوا۔ اور قدرے جھک کر انہیں سلام کیا۔

بیٹھو بیٹے ــــ انہوں نے ہاتھ پکڑ کر شفقت سے اپنے پاس پلنگ پر بٹھالیا۔

فوزیہ اور شبانہ بھی سامنے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

شان ــــ کہاں چھپ گئی۔ فوزیہ نے بیٹے سے پوچھا۔

دروازے تک تو میرے ساتھ تھیں۔ پھر غائب ہوگئیں۔

اعجاز نے مسکرا کر جواب دیا۔

بڑی شرمیلی ہے۔ فوزیہ نے کہا۔ پھر بولی۔ عادل بھائی۔ آپ کی بیٹی مجھے بہت پسند آئی۔

عادل اور شبانہ دونوں مسکرادیئے۔

امی! اب چلیں گے۔ بہت دیر ہوچکی ہے۔ اعجاز نے کہا۔

واقعی باتوں میں وقت کا احساس ہی نہیں رہا۔ فوزیہ نے کہا۔

پھر شبانہ اور عادل سے اجازت مانگ کر جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔
شبانہ دروازے تک انہیں چھوڑنے ساتھ گئی۔
شیبا۔ کل شام کی چائے تم ہمارے ہاں پیو۔ تو بڑی خوشی ہو گی۔ شان کو بھی ضرور لے آنا۔ فوزیہ موٹر میں سوار ہونے سے پہلے بولی۔
وعدہ نہیں کر سکتی۔ آنے کی کوشش کروں گی۔ تم جانتی ہو۔ میں بہت کم فارغ ہوتی ہوں۔
نہیں شیبا۔ عذر نہیں چلے گا۔ ٹیلرنگ ہاؤس تمہارا اپنا ہے۔ نوکر نہیں ہو کسی کی۔ رہا گھر کا کام تو اسی لئے شام کو آنے کی دعوت دے رہی ہوں۔ سب کا سویرے نپٹائے جا سکتے ہیں۔ شام کو فرصت ہی فرصت۔
باتوں میں تم سے جیتنا مشکل ہے۔ اچھا آ جاؤں گی۔ شبانہ نے مسکرا کر کہا۔
صرف تم نہیں۔ شان بھی آئے گی۔ فوزیہ نے زور دے کر کہا۔
اُسے بھی لے آؤں گی ___ بس اب تو خوش ہو۔
جی ___ بہت ___ دیکھو وعدہ نہ بھولنا۔ انتظار کروں گی۔
شبانہ مسکرا دی۔
رات کے کھانے سے فارغ ہو کر فوزیہ اور اعجاز ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔
لڑکی پسند آئی۔ فوزیہ نے پوچھا۔
آپ کو تو بہت پسند ہے۔ اعجاز نے مسکرا کر کہا۔ کئی دنوں سے برابر تعریف کے پل باندھ رہی ہیں۔

مجھے تو بے حد پسند ہے۔ مگر تمہاری پسند اور مرضی سب سے مقدم ہے۔
اگر تمہیں پسند نہیں تو جانے دو۔ جہاں تمہاری مرضی ہو کر لینا۔
امی ___ میں نے کبھی کچھ آپ کے کہنے کے خلاف کیا۔ جس بات
میں آپ خوش ہوں۔ اسی میں میں بھی خوش ہوں۔
ٹھیک ہے۔ تم نے مجھے کبھی ناراض نہیں کیا۔ کبھی کوئی میری بات نہیں
ٹالی۔ مگر یہ تو تمہاری پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ اس میں میری پسند نہیں چلے
گی۔ میں وہی لڑکی تمہارے لئے لے آؤں گی جسے تم دل سے پسند کرو گے۔
امی۔ آپ نے ابا جان سے پوچھ لیا نا۔ اس گھر میں مرضی صرف ان کی
چلے گی۔ میری اور آپ کی نہیں۔
ٹھیک ہے مگر اس معاملہ میں انہوں نے مجھے پورا اختیار دے دیا ہے۔
شرط صرف اتنی سی ہے کہ لڑکی بہت دولت مند گھرانے سے نہ ہو۔
ایسا کیوں؟! اعجاز نے حیرت میں پڑ کر پوچھا۔
دن رات دولت پیدا کرنے کی دھن میں مست رہنے والے ابا جان
یہ کیوں چاہتے ہیں کہ بہو غریب گھر کی ہو۔
کسی کے دل کا میں کیا جانوں۔ کچھ سوچ کر ہی کہا ہو گا۔
فوزیہ نے کہا۔
سمجھ گیا۔ اعجاز مسکرا کر بولا۔
کیا سمجھے؟
بڑے گھر کی بہو آئے گی تو اس پر دھونس نہیں چلے گی۔ غریب لڑکی
دب کر رہے گی۔ کبھی سر اٹھانے کی جرأت نہ کر پائے گی۔ جیسے آپ۔

ہوں ــــــ فوزیہ کے چہرے پر سوچ کی لکیریں پھیل گئیں۔
تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔ میں نے اس کا بھی علاج سوچ لیا ہے۔ شادی کے بعد تم دونوں کو الگ کر دوں گی۔

نہیں امی۔ میں تم سے دور نہیں رہوں گا۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر میں شادی نہیں کرتا۔

یہ تو بعد میں سوچنے کی باتیں ہیں۔ میں چاہتی ہوں ان کے آنے سے پہلے بات پکی ہو جائے۔

ایسی جلدی کیا ہے۔ ابا جان بھی دیکھ لیں۔ تو کیا حرج ہے۔

ان کی کسی بات کا مجھے بھروسہ نہیں ہے۔ فوزیہ نے گہرا سانس لے کر کہا۔ خیال بدلے گا۔ تو دیا ہوا اختیار واپس بھی لے سکتے ہیں۔ شان مجھے بیحد پسند ہے۔ کیسی پیاری صورت ہے اس لڑکی کی۔ بلا کی کشش اور بھولا پن ہے کہ نظروں سے اوجھل کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ پہلی بار اسے ٹیلرنگ ہاؤس پر دیکھ کر ہی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر وہ تمہیں بھی پسند آ گئی تو میں اسی کو اپنی بہو بناؤں گی۔

امی یہ شبانہ آنٹی دیکھنے میں کچھ ایسی خاصی نہیں ہیں۔ رنگ تو ایک دم میلا ہے۔ مگر بیٹی بڑی خوبصورت ہے۔ یہ بات عجیب سی ہے۔

بیٹی اپنے باپ پر پڑی ہے۔ عادل بھائی خوبصورت تھے۔ ناک نقشہ بھی اچھا تھا۔ اور رنگ بھی خاصا گورا چٹا تھا۔ اب تو بیماری نے بے چارے کا رنگ روپ بگاڑ دیا ہے۔

آپ نے عادل چچا کو پہلے بھی دیکھا ہے۔ اعجاز نے تعجب سے

پوچھا۔

ہاں۔ شیبا کو اسکول تک چھوڑنے آیا کرتے تھے۔ فوزیہ نے جواب دیا۔

تو ان کا بچپن کا ساتھ ہے۔ اعجاز نے مسکرا کر جواب دیا۔

ہاں۔ فوزیہ نے جواب دیا۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔

اسکول فائینل تک ہی میرا اور شبانہ کا ساتھ رہا۔ اس کے بعد ابا کا تبادلہ ہوگیا۔ ہم بمبئی چلے گئے۔ برسوں کے بعد دیکھا۔ تو کس حال میں دل کٹ کر رہ گیا۔ کتنے بڑے دولت مند باپ کی بیٹی اپنی محنت کی کمائی کھا رہی ہے۔ یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ اس کی شادی عادل بھائی سے کیسے ہوگئی۔

جیسے سب کی ہوتی ہے۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اعجاز نے مسکرا کر کہا۔

عادل بھائی کی ماں ایک غریب بیوہ تھیں۔ جو محنت مزدوری کر کے بیٹے کو پڑھا رہی تھیں۔ اور گذر بسر بھی کر رہی تھیں۔ کبھی کبھار ان کے ہاں فاقہ بھی ہو جایا کرتا تھا۔ ایسے لڑکے کو بریلی کے سب سے بڑے دولت مند آدمی نے اپنی بیٹی دی ہوگی۔ یقین نہیں آتا۔ لگتا ہے اسے باپ کی اتنی بڑی جائداد سے کچھ نہیں ملا۔ بے چاری ٹیلرنگ ہاؤس چلا رہی ہے۔ گذر بسر کے لئے ان کا ٹیلرنگ ہاؤس بڑی ترقی کر گیا ہے۔ پورے شہر میں مشہور ہے۔ لوگ دور دور سے آتے ہیں ان کے ہاں کپڑا سلانے کے لئے۔

خدا کی مہربانی ہے بیٹے۔ اس نے ہر محنت کرنے والے کو معقول روزی دینے کا وعدہ جو کیا ہے۔ فوزیہ نے آہ بھر کر کہا۔ بہرحال کبھی تنہا ملی تو

سب باتیں پوچھوں گی۔

کہیں وہ برا نہ مان جائیں۔ اعجاز نے کہا۔

نہیں۔ وہ بچپن سے دکھی ہے۔ دل کا درد مجھ سے ہی کہا کرتی تھی۔

امیر آدمی کی لڑکی اور دکھی۔ وہ کیوں ماں۔ بیٹے نے حیرت سے پوچھا۔

بیٹے ـــــ اس کی ماں سوتیلی تھی۔ گھر میں اسے پیار ملتا تھا تو اپنی دادی سے مگر دادی کا بھی وہاں کچھ زیادہ زور نہیں چلتا تھا۔ بڑی لمبی داستان ہے جس کا صرف تھوڑا سا حصہ مجھے معلوم ہے۔

گھڑی نے بارہ بجائے تو فوزیہ چونک پڑی۔ ارے بارہ بج گئے۔ جاؤ بیٹا سو جاؤ۔

اعجاز اٹھ کر سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

فوزیہ بڑی دیر تک وہیں بیٹھی اپنے خیالوں میں کھوئی رہی۔

اس کا شوہر امیر آدمی تھا۔ بہت بڑا بزنس مین اس کے بزنس کی شاخیں ہندوستان کے کئی بڑے شہروں میں تھیں۔ جو سب کی سب ترقی پر تھیں۔ دنیا اسے انتہائی خوش قسمت سمجھتی تھی کہ اتنے بڑے آدمی کی بیوی ہے اور وہ بڑا آدمی اس کے قدموں میں دنیا کی دولت نچھاور کرنے کو تن من کی بازی لگائے ہوئے تھا۔

شوہر کا پیار اور خلوص کتنی بڑی دولت ہے۔ یہ دولت جس عورت کو حاصل ہے۔ اسے خوش قسمت کہنے اور سمجھنے والوں کی تعداد اس دنیا میں بہت کم ہے۔ اُس کے پاس سب کچھ تھا۔ مگر بغیر پیار کے دنیا کی یہ دولت اسے کوئی

خوشی نہ دے سکی اکثر اس کی افسردگی پر اشفاق چڑ جاتے اور کہتے جانے کیا مصیبت آ گئی ہے۔ جو تمہارے چہرے پر افسردگی کے سائے لہراتے رہتے ہیں۔ میں نے تمہیں خوش رکھنے کی ہمیشہ کوشش کی کیا کچھ نہیں دیا۔ اتنی بڑی کوٹھی۔ بڑی شیورلٹ کار۔ ہزاروں کا بینک بیلنس۔ جو جی چاہے خرید سکتی ہو۔ سیر و تفریح کر سکتی ہو۔ پوری آزادی ہے تمہیں پھر بھی تم خوشی سے محروم لگتی ہو۔ ایسا کیوں؟

وہ اس کیوں کا جواب نہ دے سکی۔ کبھی نہ دے سکی۔ یہ سوال اس سے بار بار پوچھا گیا مگر جواب میں اس کی نظریں جھک جاتیں۔ ہونٹوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ آ جاتی اور بس۔

تم چاہتی کیا ہو؟ کئی بار یہ سوال بھی پوچھا گیا مگر اس سوال کا بھی اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

چاہنے کو وہ بہت کچھ چاہتی تھی۔ دولت سے خریدی جانے والی کوئی چیز نہیں۔ وہ تو شوہر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں پیار دیکھنا چاہتی تھی۔ یہ بھی چاہتی تھی کہ وہ اس کے پورے وجود سے پیار کرے مگر اسے کبھی بھی ان آنکھوں میں پیار کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آئی۔ وہ بہت مصروف آدمی ہے۔ وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ پیار و محبت کی فضول باتوں کے لئے وقت کہاں چہرے پر چوبیس گھنٹے سوچ بچار کی لکیریں پھیلی رہتیں۔ ہونٹ جیسے مسکرانا جانتے ہی نہ تھے۔ ایسے آدمی سے دل کا درد کہنے سے کیا حاصل۔ یہی سوچ کر اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا کہ جتنی خوشیاں مل گئی ہیں یہی بہت ہیں۔ زیادہ کی ہوس نہ کرے۔ دل کو بار بار سمجھانے سے اسے تسلی مل چکی تھی۔

مگر بیٹے کی بات نے اس کے زخم کو پھر کرید دیا تھا۔ زخم کا منہ پھر کھل چکا تھا۔

کہنے کو وہ اس کوٹھی کی مالک ومختار تھی۔ مگر یہاں حکم صرف اشفاق کا چلتا تھا۔ اس کی مرضی کے خلاف کبھی کچھ ہوا تو اس کے چہرے پر کئی شکنیں سمٹ کر آجاتیں۔ مارے غصے کے ان کا چہرہ بھیانک ہو جاتا۔ اور وہ بری طرح سہم جاتی پچیس سال سے وہ یونہی سہم سہم کر جی رہی تھی۔ اور دنیا اُسے خوش قسمت سمجھتی ہے۔

گھڑی نے ٹھن سے ایک بجایا۔ تو وہ اٹھی، ڈرائنگ روم کی لائٹ بجھا کر اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلی گئی۔

3

چار بجتے ہی فوزیہ نے شبانہ اور شان کو لانے کے لئے کار بھیج دی۔

شبانہ اور شان جب فوزیہ کی کوٹھی گلفشاں پر پہنچے۔ تو اسے بے چین انداز میں انتظار کرتے پایا۔

کار جیسے ہی پورچ میں داخل ہوئی فوزیہ تیزی سے آگے بڑھی۔ اور ڈرائیور سے قبل ہی کار کا دروازہ کھولا۔ اور بڑی محبت سے دونوں کا استقبال کیا۔

شبا تو نے کل کا بدلہ آج مجھے انتظار کرا کے لے لیا۔ گھنٹہ بھر سے انتظار کر رہی ہوں۔

بدلہ کیسا۔ تیار ہوتے ہوتے تھوڑی سی دیر ضرور ہو گئی۔ تاخیر کی معافی چاہتی ہوں۔ شبانہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

جاؤ۔ معاف کیا۔ فوزیہ نے ہنس کر کہا۔ اور پھر ان دونوں کو طویل و عریض برآمدہ طے کر کے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ اور سب بیٹھ گئے۔ شان کو فوزیہ نے صوفے پر اپنے قریب بٹھایا۔

شان یہ ڈرائنگ روم دیکھ کر حیران رہ گئی۔ قیمتی فرنیچر۔ بڑھیا قالین ڈیکوریشن کی ہر چیز نایاب قسم کی۔ وہ کھوئی ہوئی آنکھیں پھاڑے ہر طرف دیکھ رہی تھی۔

فوزیہ کی نظریں شان پر لگی ہوئی تھیں۔ ان نظروں میں پسندیدگی بھی تھی اور پیار بھی۔ ہمیشہ سادہ لباس میں رہنے والی شان آج سج دھج کر بہت زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

اعجاز کیا کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ شبانہ نے پوچھا۔

آفس پر کام تھا۔ اسی لئے گیا ہوا ہے۔ ابھی آجائے گا۔

اُسی وقت کار پورچ میں آکر رکی۔ لو بڑی عمر ہے میرے بیٹے کی۔ نام لیا اور آگیا۔

اعجاز اندر آگئے۔ شبانہ اور شان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور جھک کر شبانہ کو سلام کیا۔

شبانہ نے اس خوبصورت اور وجیہ نوجوان کو سر سے پاؤں تک پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔ پھر اٹھ کر بڑے پیار سے اس کی پیشانی چومی اور دعا دے کر اپنے پاس ہی صوفے پر بٹھا لیا۔

اعجاز چور نظروں سے سامنے بیٹھی شان کو دیکھ رہا تھا۔ شرم کے مارے اس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ یہ شرمیلی گڑیا اب اس کی تمنا اس کی زندگی بن چکی تھی۔

ملازم چائے ناشتہ لے آیا۔ اور میز پر سلیقے سے سجا دیا۔

شیبا۔ فوزیہ نے کہا۔ چائے پی کر اعجاز اور شان باہر جا کر گھوم آئیں۔ اجازت دیتی ہو۔

نہیں فوزی۔ دیر ہو جائے گی۔ ہمیں جلد گھر پہنچنا ہے شبانہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

دیکھو شیبا! کوئی عذر قبول نہیں کی جائے گی۔ رات کا کھانا میرے ساتھ کھا کر ہی تمہیں اجازت ملے گی۔ ویسے مجھے ناراض کر کے جانا ہے۔ تو تمہاری مرضی۔

نہیں نہیں ___ ایسا ظلم مت کرو۔ وہ گھر میں اکیلے ہیں۔ ان کی طبیعت کا حال تو تم دیکھ چکی ہو۔ میری مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تمہاری خفگی سے تو پہلے بھی ڈرتی تھی۔ روٹھ جاتی تھیں تو بڑی منت سماجت سے منانا پڑتا تھا۔ اب تو برسوں کے بعد ملی ہو کیسے تمہاری ناراضگی گوارا کرلوں۔

ارادہ کیا ہے۔ گھنٹہ بھر بیٹھ کر چل دوں گی۔ یہی نا۔

ہاں ___ مگر وعدہ کرو۔ میری مجبوری کا خیال کرتے ہوئے برا نہیں مانو گی۔

چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ پہلے چائے تو پی لیں۔ اعجاز نے مسکرا کر کہا۔

اوہ۔ واقعی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ چائے پی کر فیصلہ کریں گے۔ کہ کھانے سے پہلے اجازت دی جائے یا نہیں۔

ستانے کی تو تمہاری پرانی عادت ہے۔ شبانہ نے مسکرا کر کہا۔ فوزیہ بھی مسکرا دی۔ اور پھر چاروں ناشتہ کرنے لگے۔

لو بیٹی ___ فوزیہ نے مٹھائی کی پلیٹ شان کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ شرمانے سے کام نہیں چلے گا۔ کھانے پینے میں تکلف نہیں کیا کرتے۔

شان پہلے تو جھجکی پھر تکلفاً برفی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر اٹھالیا فوزیہ

ایک ایک چیز اٹھا کر اصرار کر کے شان کو کھلا رہی تھی۔
چائے کے بعد فوزیہ بیٹے سے بولی۔شان کو لے جاؤ۔باہر کی سیر نہ سہی۔اپنے باغ کی سیر تو کرالاؤ۔آئی ہے جب سے شرم کے مارے سر جھکائے بیٹھی ہے۔جاؤ بیٹی۔فوزیہ نے شان کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
شان نے ماں کی طرف دیکھا۔
ہاں۔ہاں۔جاؤ نا۔
نہیں امی۔آج نہیں۔پھر کبھی۔شان نے بڑی مہین آواز میں گردن جھکائے ماں سے کہا۔
شان بیٹی۔تم جاؤ نا۔فوزیہ نے بڑے پیار سے اُسے دھکیلتے ہوئے کہا۔ہمیں کچھ خاص باتیں کرنی ہیں۔جو تم دونوں کو سنانے کی نہیں ہیں۔
شان کو اٹھنا ہی پڑا۔وہ شرماتی ہوئی سر جھکائے اعجاز کے پیچھے باہر چلی گئی۔
حد سے زیادہ شرمیلی ہے۔فوزیہ نے کہا۔شیبا تیری بیٹی مجھے بے حد پسند ہے۔
شبانہ کیا کہتی۔وہ صرف مسکرادی۔
میرا اعجاز تمہیں اور عادل بھائی کو پسند آیا ہوگا۔
بے حد۔شبانہ نے مسکرا کر کہا۔خدا انہیں نظر سے بچائے۔
تو پھر مجھے اپنی بیٹی دے دو۔لڑکا تمہارا ہے۔
شبانہ اب بھی صرف مسکرادی۔
جواب دو شیبا۔ہاں کردو نا۔اب سوچنے کے لئے کیا رہ گیا ہے۔

جلدی بازی اچھی نہیں ہوتی۔کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے خوب سوچ لینا اچھا ہے۔

اب سوچنا کیا ہے۔ساتھ نبھانے والوں نے ایک دوسرے کو پسند کرلیا ہے۔پھر ہم بیچ میں کیا سوچیں۔

بڑی جلد باز ہو اب تک۔اشفاق بھائی کے آنے کے بعد چھیڑی جاتی یہ بات۔ان کی رائے بھی تو بہت ضروری ہے۔

انہوں نے مجھے پورا اختیار دے دیا ہے۔سب کچھ طے کر کے سنا دینا کافی ہے۔ہاں انگوٹھی پہنانے کی رسم ان کے آنے کے بعد ہوگی۔

شبانہ فوراً کوئی جواب نہ دے سکی۔وہ سوچ میں پڑ گئی۔اسے اتنا تو معلوم تھا کہ اشفاق صاحب امیر آدمی ہیں مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اتنے بڑے رئیس ہوں گے۔عظیم الشان کوٹھی۔اور یہاں کا ساز و سامان و آرائش دیکھ کر اس کا فیصلہ ڈانواڈول میں پڑ گیا تھا۔جلد بازی کا نتیجہ ہمیشہ پشیمانی کا باعث بنتا ہے۔

کس سوچ میں ہو شبا۔میری بات کا جواب سوچ رہی ہو کیا دیکھو میں نے بڑی امیدیں لے کر تم سے کچھ مانگا ہے۔میرا دل نہ توڑ دینا۔میں ایک دم ہاں نہیں کہہ سکتی۔مجھے سوچنے کا موقع تو دو۔شبانہ نے کہا۔

سوچ لو۔مگر چار دن کے بعد جواب دے دینا۔میں تمہارے ہاں آؤں گی مژدہ جانفزا سننے کے لئے۔فوزیہ نے کہا۔

بہت دیر ہو چکی ہے۔اب ہم جائیں گے۔

اتنی جلدی۔ابھی تو مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ڈھیر ساری

باتیں پوچھنی ہیں۔تمہاری پچھلی زندگی کے متعلق۔

پوچھ کر کیا کرو گی۔ میں اپنے ماضی کو بھول چکی ہوں۔ پرانے زخم کریدنے سے کیا حاصل۔

پھر بھی کچھ تو معلوم ہو۔اتنے بڑے دولت مند باپ کی بیٹی کو سلائی کا پیشہ کیوں اختیار کرنا پڑا۔

فوزی مجھے کچھ یاد نہ دلاؤ۔ میں بڑی مشکل سے بھول پائی ہوں۔ پچھلی زندگی کے تمام سکھ دکھ۔اب تو حال اور مستقبل سے جنگ لڑ رہی ہوں۔ شبانہ نے افسردگی سے جواب دیا۔شان کو بلوا دو۔اب میں جاؤں گی۔

فوزیہ نے ملازم سے شان اور اعجاز کو بلانے بھیج دیا۔

شان اور اعجاز باغ میں حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔شان کا سر جھکا ہوا تھا۔اعجاز بھی خاموش بیٹھے اس حسن و جمال کی اس مکمل تصویر کو جو ان کے سامنے تھی ششدر دیکھ رہے تھے۔جیسے اس کی جھکی جھکی لمبی پلکوں اور مارے حیا کے سرخ ہوئے چہرے میں کھو کر رہ گئے ہوں۔

بڑی دیر کے بعد اعجاز نے ہولے سے پکارا____ شان

ہوں۔

یوں کب تک سر جھکائے خاموش بیٹھی رہیں گی آپ۔امی نے تو اس لئے بھیجا تھا کہ وہاں سب کے سامنے باتیں کرتے ہوئے آپ شرمائیں گی۔ مگر یہاں تنہائی میں تو اور زیادہ شرما رہی ہیں۔

شان نے سر اٹھا کر حیا بار نظروں سے اعجاز کو دیکھا اور پھر اُسی لمحے

نظریں شرما کر جھک گئیں۔
شرمیلی نگاہوں کا یہ حسن انداز اعجاز کے دل میں اتر گیا۔ وہ مسکرا کر بولا۔ آپ کو معلوم ہے۔ امّی نے ہمیں یہاں کیوں بھیجا تھا؟

باغ کی سیر کرنے۔ اور کس لئے۔ شان نے انتہائی معصومیت سے کہا۔

بھولی لڑکی۔ اعجاز کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی اور آنکھوں میں بے پناہ پیار اُمڈ آیا اور وہ بولا۔ نہیں۔

پھر کس لئے۔ شان نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

آپ خود سمجھ سکتی ہیں۔ اعجاز نے جواب دیا۔ ہونٹوں پر بدستور دلکش مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

اُس کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے شان نے پلکیں جھکا لیں اور جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

اتنی جلدی نہ جایئے۔

بہت دیر ہو چکی ہے۔ امّی غصہ ہوں گی۔

امی کہاں غصہ ہونے لگیں۔ آپ کو میرے ساتھ بھیجنے میں اُن کی اجازت بھی تو شامل تھی۔

میں جانتی ہوں امی کو۔ اتنی آزادی پسند نہیں۔

امی کو خواہ مخواہ بیچ میں کیوں لاتی ہیں آپ؟ یہ کہیئے آپ کو خود میرا ساتھ پسند نہیں۔ اس کے لہجہ میں شکایت تھی۔

کسی کے دل کی آپ کیا جانیں۔ میرا دل تو چاہتا ہے زندگی بھر آپ

کے ساتھ بیٹھی رہوں۔ کبھی جانے کا نام نہ لوں۔ اُس نے دل کی بات کہنے کی کوشش کی مگر شرم نے زبان تھام لی۔ ایک اجنبی نے دو ایک ملاقاتوں میں ہی اُس کا دل جیت لیا تھا۔ وہ خود دل کی اس اچانک تبدیلی پر حیران تھی۔

آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔

دل کی زبان سنی جا سکتی تو آپ کو جواب طلب کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ شان کی نگاہیں جواب دینے کو اٹھیں مگر اعجاز کی سراپا محبت میں نظریں اپنے چہرے پر دیکھ کر وہ بری طرح شرما کر جھک گئیں۔

پھر کب ملاقات ہو سکے گی۔ اعجاز نے پوچھا۔

شان جواب نہ دے سکی۔

ہر روز کالج سے سیدھی یہیں چلی آیئے۔ شام کو میں گھر چھوڑ آیا کروں گا۔ نہیں نہیں، امی اجازت نہیں دیں گی۔

پھر لے آئیں آپ امّی کو بیچ میں ___ خیر جانے دیجئے میں آواز دوں گا ہر روز آپ کے ہاں۔

امّی سے پوچھ لیجئے۔

اگر امّی نے اجازت نہ دی تو۔

تو پھر میں کیا کروں؟

آپ کچھ نہیں کریں گی۔ آپ سے ملے بغیر ہم سے تو اب رہا نہیں جائے گا۔ کیا آپ کا دل نہ چاہے گا ہم سے ملنے کو۔ محبت میں ڈوبے ہوئے اس سوال کو سن کر شرم وحیا سے وہ زمین میں گرنے لگی ___ دونوں ہاتھوں سے اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

حسن کا یہ عجیب انداز اعجاز کو بہت پیارا لگ رہا تھا۔ وہ دل تھام کر رہ گئے۔

اتنے میں ملازم نے آ کر کہا۔ مالکن آپ کو اندر بلا رہی ہیں۔

چلئے۔ بلاوا بھی آ گیا۔

دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اندر آ گئے۔

دونوں کو ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دیکھ کر شبانہ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اس نے سوچا کتنا موزوں جوڑ ہے۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ اپنی کم مائیگی کے احساس نے اسے افسردہ کر دیا۔ آنکھوں کی چمک مایوسی میں بدل گئی۔

اعجاز ڈرائیور چلا گیا ہے۔ تم جا کر چھوڑ آؤ۔ فوزیہ نے کہا۔

نہیں نہیں۔ کیوں بچے کو تکلیف دیتی ہو۔ ٹیکسی مل جائے گی۔

تکلیف کیسی؟ یہ میرے لئے خوشی کی بات ہے۔ اعجاز نے مسکرا کر کہا۔

شان نے فوزیہ کو جھک کر سلام کیا اور جانے کی اجازت چاہی۔ فوزیہ نے اسے گلے لگا کر پیار کیا اور بولی۔ جی چاہتا ہے میری بچی تجھے جانے نہ دوں۔ مگر تیری ماں بڑی ظالم ہے۔ نہ خود بیٹھتی ہے نہ تجھے بیٹھنے دیتی ہے۔

فوزیہ ــــ معلوم ہوتا ہے۔ مجھ سے بڑی شکایت ہے۔ کیا کروں مجبوری نہ ہوتی تو میں تمہیں شکایت کا موقع نہ دیتی۔

خیر تم اپنے عادل کی وجہ سے مجبور ہو۔ شان کو بھیج سکو گی صبح کو۔ کل تو اتوار ہے اسے کالج بھی نہیں جانا۔ میں صبح ہی گاڑی بھیج دوں گی۔

نہیں۔ چھٹی کے دن یہ گھر پر رہتی ہے اور میں دکان پر کٹنگ کا بہت سا

کام پڑا رہتا ہے۔ اُسے پورا کر لیتی ہوں۔ آج کل سیزن ہونے کی وجہ سے کام بہت رہتا ہے۔ میں اکیلی کیا کیا کروں۔ گھر کا باہر کا اور بیمار آدمی کی تیمارداری کا۔ کام کا بہت سارا بوجھ پڑا ہے۔ چھٹی کے دنوں میں میری بیٹی کام کا بہت سا بوجھ اپنے اوپر لے لیتی ہے ___ شبانہ نے پیار بھری نظروں سے اپنی بچی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

بیٹی کی شادی کے بعد کیا کروں گی؟ فوزیہ نے ہنس کر پوچھا۔

خدا مالک ہے۔ اکیلی ہی کو سب کچھ کرنے کی ہمت دیدے گا۔ شبانہ نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

شیبا تم کتنے کمزور دل کی تھیں۔ مگر اب دیکھتی ہوں تو تم جیسی ...... باہمت عورت شاید ہی کوئی ہو۔

دل تو اب بھی میرا کمزور ہی ہے مگر ارادوں کی مضبوطی دل کی کمزوری پر غالب آچکی ہے، شبانہ نے پھر مسکرا کر جواب دیا۔ بھئی اب تو ہمیں جانے دو۔ کافی زیادہ دیر ہو چکی ہے۔

فوزیہ اُن کو چھوڑنے کیلئے گیٹ تک ساتھ گئی۔ جب دونوں کار میں سوار ہو چکیں تو بولی۔ چار دن کے بعد میں آ رہی ہوں تمہارے ہاں۔ مٹھائی تیار رکھنا منہ میٹھا کئے بغیر واپس نہیں آؤں گی۔

شبانہ صرف مسکرا دی۔

اعجاز نے جو کار کا دروازہ پکڑے کھڑا تھا شان کی طرف دیکھا۔ شان اس کو دیکھ رہی تھی۔ ایک ثانیے کیلئے دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے کی آنکھوں سے ٹکرا گئیں۔ دونوں کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے۔

شان نے شرمندہ ہو کر خجالت مٹانے کیلئے نظریں دوسری طرف پھیر لیں مگر دل برابر دھڑکتا رہا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ کیسی دھڑکن ہے۔ یہ دل کو کیا ہوتا جارہا ہے پہلے تو کبھی دل کی ایسی حالت نہ تھی۔ کالج میں بہت سے خوبصورت لڑکے تھے جو اس کے قریب ہونے کی کوشش کررہے تھے۔ مگر اس کی آنکھوں میں تو ایک بھی نہیں جچا۔ وہ تو اپنے دل کو محفوظ رکھنے کا ارادہ کر چکی تھی۔ اُس کے ذہن میں کبھی کسی خوبصورت نوجوان کے وجود نے جنم نہیں لیا۔ اس کے ذہن میں بس ایک ہی خیال تھا وکالت پاس کرنے کا۔ نہ جانے کیوں جب سے اعجاز کو دیکھا تھا اس کے خیالات بدل رہے تھے۔ اسے احساس ہورہا تھا کہ اب وہ پڑھائی پر اتنا دھیان نہ دے پائے گی۔

کار اس کے گھر کے سامنے رک گئی۔ اعجاز نے اتر کر دروازہ کھولا۔ ماں کے پیچھے شان اُتری۔

اندر آؤ بیٹے۔ شبانہ نے کہا۔

نہیں آفس جانا ہے۔ پھر آؤں گا۔

شبانہ شکریہ ادا کر کے اندر چلی گئی۔ شان بھی ماں کے پیچھے جانے لگی تو اعجاز نے جھک کر اس کے کان کے پاس اپنا منہ لگا کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔ میرے آنے پر امّی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اب آپ اپنی کہیے۔ اجازت ہے در دولت پر کبھی کبھی حاضری دینے کی۔

نہیں نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ اس نے شرما کر چہرہ چھپالیا اور اندر بھاگ گئی۔

شرمیلی معصوم لڑکی۔ اعجاز نے اسے بھاگتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے زیر

لب کہا اور کار کو اسٹارٹ کر دیا۔

وہ بے حد خوش تھا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے اُس کی زندگی کے سب سے بڑے ارمان کی تکمیل ہونے والی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے شان کا خوبصورت چہرہ گھوم رہا تھا۔ شرم وحیا کی تصویر شان اس کے دل و دماغ میں بس چکی تھی۔

اس نے بہت پہلے سوچ رکھا تھا۔ زندگی کا ساتھی کسی شوخ چنچل اور بیباک لڑکی کو نہیں بنائے گا۔ اس کا ساتھی شرم وحیا، سادگی اور معصومیت کا مجسمہ ہوگی۔

شان اس کے معیار پر پوری اتری تھی۔ اس کے خواب پورے ہو رہے تھے امیدوں کی کلیاں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ تصورات کی حسین دنیا میں کھویا ہوا تھا۔

(4)

فوزیہ ہر دوسرے تیسرے دن شبانہ کے ہاں آنے لگی۔ مگر شبانہ تھی کہ
ٹال مٹول سے کام لے رہی تھی۔
عادل نے بھی دو ایک بار کہا کہ اچھا ٹھکانہ ہے۔ دینے کا ارادہ بھی
ہے تو پھر یہ ٹال مٹول کیوں کر رہی ہو۔ ہاں کر دو۔
مگر شبانہ کے دل میں ایک انجانا خوف بیٹھا ہوا تھا۔ ہاں کرنے کے
بعد کہیں لڑکے کے باپ کو جو بہت رئیس ہے اس چھوٹے گھرانے سے رشتہ
جوڑنا پسند نہ ہوا تو کتنی بڑی سبکی ہوگی۔
ہاں کہنے کے بعد وہاں سے نا سننا پڑا تو اس کے دل کو ایک اور نئی
چوٹ سہنی پڑے گی۔
ہر وقت کا سلگتا دل جس میں بے شمار پھپھولے تھے۔ کسی بھی نئی چوٹ
سہنے کے قابل نہ تھا۔ بچپن سے اُس کی زندگی میں ویرانیاں تھیں۔ لامحدود
اندھیرے تھے۔ خوشی کا منہ اس نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں بہت کم دیکھا
تھا۔ مارے خوشی کے دل کیسے جھوم اٹھتا ہے۔ اس کا اسے کوئی تجزیہ نہ تھا۔
دکھوں سے بھری زندگی نے اُسے ہر وقت سہمنا اور ڈرنا سکھایا تھا۔ دل میں
ہمیشہ انجانے وسوسے نامعلوم اندیشے بھرے رہتے تھے۔ دل کی حالت یہ تھی
مگر چہرہ پر ہر وقت سکون چھایا رہتا ہے۔ اُسے دیکھنے والا کبھی نہ سمجھ پاتا کہ اس

کے دل میں کتنی ویرانیاں ہیں کیسے کیسے دکھ بھرے ہوئے ہیں؟

ہر ماں کی طرح اُس کے دل میں بھی بیٹی کی شادی کا ارمان تھا۔ اعجاز کے بے پناہ مردانہ حسن سے وہ بڑی مرعوب ہوئی تھی۔ اُسکی بیٹی کے لئے کتنا موزوں جوڑا تھا۔ خدا کرے یہ رشتہ طے پا جائے وہ دن رات دل سے یہی دعا کر رہی تھی۔

فوزیہ بی بی آئی ہیں۔ دلاری نے آ کر کہا۔ تو شبانہ اٹھ کر باہر والے کمرے میں آ گئی۔

بار بار آ کر تمہیں خوب تنگ کر رہی ہوں۔ فوزیہ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا___ شبانہ صرف مسکرادی۔

سنا ہے پرانے زمانے میں کسی کی بیٹی حاصل کرنے کی کوششوں کے بیچ کئی جوڑی جوتے گھس جاتے تھے۔ سنئے دور میں تو کوئی ایسا ظلم نہیں کرتا تم بڑی ظالم ہو شیبا۔

آخر تمہیں اتنی جلدی کیوں پڑ گئی ہے۔ اشفاق بھائی کو آنے دو۔

میں چاہتی ہوں ان کے آنے سے پہلے بات پکی ہو جائے۔

اس میں کیا مصلحت ہے۔ شبانہ نے پوچھا۔

رسم فوراً دھوم سے کرنے کی تیاری کرنی ہے۔ اُن کے آنے کے بعد ہاں ہوتی تو پھر تیاری کیلئے دن لگیں گے۔

جن کے پاس روپیہ ہے۔ وہ صرف دو دن میں بڑی سے بڑی تیاری کر سکتے ہیں پگلی اس بڑے شہر میں کونسی چیز ہے جو تیار نہیں ملتی۔

سمجھ میں نہیں آتا۔ تم کیوں ان کے آنے کے بعد بات پکی کرنے پر

اتنا زور دے رہی ہو۔

سچی بات کہہ دوں فوزی۔ تمہاری اور اپنی حیثیت میں بہت بڑا فرق ہے وہ اتنے بڑے رئیس کیسے یہ گوارہ کرلیں گے کہ ان کے لڑکے کا رشتہ ایک غریب گھر کی لڑکی سے ہو اس لئے میں چاہتی ہوں کہ فیصلہ ان کے آنے کے بعد ہو۔

اف خدایا۔ فوزیہ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھتے ہوئے قدرے بگڑ کر کہا پہلے ہی دل کا اندیشہ ظاہر کر دیا۔ ہوتا اتنی سی بات کیلئے ہی تو یہ ٹال مٹول ہو رہا تھا۔

تمہارے لئے اتنی سی بات ہے فوزی۔ میرا لڑکی کا معاملہ ہے، بات بن کر بگڑ گئی تو تم خود سوچ سکتی ہو۔ میری بچی کہیں کی نہ رہے گی۔

میں شان کو غیر نہیں اپنی اولاد کے برابر سمجھتی ہوں۔ میں اس کا برا چاہوں گی۔ دراصل اشفاق صاحب خود یہی چاہتے ہیں کہ ان کی بہو کسی بڑے امیر گھرانے کی نہ ہو میں خود کون سے امیر باپ کی بیٹی ہوں۔ تم خود جانتی ہو۔ میرا باپ ایک معمولی آفیسر تھا۔ اگر وہ اس خیالات کے ہوتے تو مجھ سے شادی کرتے۔

سچ کہہ رہی ہو۔ شبانہ نے خوش ہو کر پوچھا۔

ہاں۔ انہوں نے مجھ سے یہی کہا تھا۔ لڑکی غریب مگر شریف گھرانے کی پڑھی لکھی خوبصورت ہو۔ شان میں یہ سب خوبیاں دیکھ کر ہی تو میں زور دے رہی ہوں۔ شیبا آج تو ہاں کردو۔ میں ایک گلاس شربت پیئے بغیر آج یہاں سے جانے والی نہیں۔ یہ میرا قطعی فیصلہ ہے۔ کیا کہتی ہو۔

شان کی مرضی معلوم کر کے کل پرسوں جواب دوں گی۔

شان کالج سے آجائے تو پوچھ لو۔ میں یہیں بیٹھی ہوں۔ آج میں ٹلنے

والی نہیں۔

اب شبانہ مجبور ہوگئی ___ بیٹی کی مرضی وہ پہلے ہی معلوم کر چکی تھی۔ عادل بھی کئی دنوں سے ہاں کہہ دینے پر برابر زور دے رہے تھے۔اب فوزیہ بھی ضدی بن کر سامنے بیٹھی تھی۔اسے ہاں کہنا ہی پڑا۔

فوزیہ مارے خوشی کے اچھل پڑی۔اس نے شبانہ کو گلے سے بھینچ لیا اور بولی آج میں کتنی خوش ہوں۔مدتوں کے بعد آج سچی خوشی نصیب ہوئی ہے۔

کیا کہتی ہو تم ؟ تمہارا دل خوشی سے محروم ہے۔

کیوں ؟ کس چیز کی کمی ہے تمہارے پاس ؟ دنیا بھر کا عیش و آرام میں نہیں ہے سمجھتی کہ کوئی بھی دکھ تمہارے قریب بھی آنے کی جسارت کر سکے گا۔

خوشیوں اور عیش و آرام کے ساتھ دکھ بھی ہوتے ہیں۔اس دنیا میں پھر انسان تو بے صبرا ہے ہی۔دنیا بھر کی خوشیاں پا کر بھی نہ جانے کیوں موت کی حدود تک وہ بہت سی کمیوں کا احساس رکھتا ہے اپنے دل میں انسان کی یہ فطرت کسی طرح نہیں بدل سکتی۔میں بھی انسان ہوں۔اس لئے خوشیوں کے ساتھ بہت سی کمیوں کا بھی احساس ہے۔

کیا میں پوچھ سکتی ہوں۔کونسی کمیوں کا احساس ہے۔شبانہ نے پوچھا۔

کبھی بتاؤں گی۔آج نہیں، تم جاؤ، شربت لے آؤ۔میں عادل بھائی کے کمرے میں بیٹھی ہوں۔فوزیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔شبانہ نے بھی کریدنا مناسب نہ سمجھا وہ چپ چاپ اٹھ کر اندر چلی گئی۔

جب وہ شربت اور مٹھائی کی تھالی لئے عادل کے کمرے میں پہنچی تو فوزیہ اور عادل ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔عادل کا چہرہ خوشی سے پھول

کی طرح کھلا ہوا تھا۔ عادل کا کھلا ہوا چہرہ اس نے بہت برسوں سے نہیں دیکھا تھا۔ ویران چہرہ پر ہمیشہ دکھ درد کے گہرے سائے ہوتے تھے مگر آج شوہر کو اس قدر خوش دیکھ کر وہ بھی خوشی سے مسکرا دی۔

فوزیہ نے اٹھ کر شبانہ کے ہاتھ سے مٹھائی کی تھالی لے لی اور برفی کا ٹکڑا توڑ کر منہ میں رکھ لیا اور ہنس کر دونوں کا شکریہ ادا کیا اور مبارکباد دی۔

بہن۔ مبارکباد کی اصلی حقدار تو صرف تم ہو۔ عادل نے ہنس کر کہا۔

صرف میں ہی کیوں؟

تم پار ہی ہو۔ اور ہم تو کھلونے والوں میں ہیں۔ ایک ہی بیٹھی تھی۔ وہ تمہیں دے کر اکیلے ہو بیٹھے۔

میں تو ایسا نہیں سمجھتی۔ بیٹا دے کر بیٹی لے رہی ہوں۔ دونوں پر جتنا حق ہمارا ہے اتنا ہی آپ دونوں کا بھی ہے۔ جب جی چاہے بلا کر دونوں کو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ ہم تھوڑا ہی منع کریں گے۔

بہن۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔ بیٹی اپنے گھر خوش رہے۔ یہی تو والدین کی سب سے بڑی تمنا ہوتی ہے۔

کالج سے شان آ گئی تھی۔ کتابیں اپنے کمرے میں رکھ کر وہ سیدھی باپ کے کمرے میں چلی آئی۔ یہاں شربت اور مٹھائی دیکھ کر بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ شرما کر مڑی اور واپس جانے لگی تو فوزیہ نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے اپنے سینے سے لپٹا لیا۔ سر اور پیشانی پر بوسے دیئے اور اپنے قریب بٹھا لیا۔

وفور حیا سے اسکی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ لیکن چہرے پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی۔

شان کالج کے گیٹ سے نکل کر سڑک پر پہنچی تو سامنے والے فٹ پاتھ پر کھڑے اعجاز کو دیکھ کر چونک پڑی۔ یہ آج یہاں کیسے آ گئے؟

اعجاز کی نظریں گیٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ شان کو آتے دیکھ کر وہ کار میں بیٹھ گیا اور اسٹارٹ کر دیا۔ شان بھی بلا مقصد اعجاز کی آمد کے متعلق سوچتی ہوئی آگے بڑھتی گئی۔ قریب کے بس اسٹاپ پر پہنچی تو اعجاز وہاں کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی کار کا دروازہ کھول دیا اور ذرا جھک کر مسکراتے ہوئے بولا۔ تشریف رکھئے۔ آپ ہی کے انتظار میں گھنٹہ بھر سے یہ خاکسار دھوپ میں سوکھ رہا تھا۔

نہیں نہیں ___ میں بس چلی جاؤں گی۔ شان گھبراہٹ سے بولی۔

کار میں بیٹھ جائیے۔ تو کیا حرج ہے۔ میں گھر کے دروازے پر نہیں قریب کے بس اسٹاپ پر چھوڑ دوں گا۔

نہیں۔ خدا کیلئے آپ آئندہ ایسی تکلیف نہ کیجئے گا۔ میں روز بس میں جاتی ہوں۔ آج بھی چلی جاؤں گی ___ شان پریشان ہو کر بولی۔

آئندہ کی بات چھوڑیئے۔ آج تو میں آ گیا ہوں۔ بڑی امیدیں لیکر آیا تھا کیا آپ مجھے مایوس کریں گی۔

آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ امی کی خفگی کا ڈر ہے۔ پتہ چل گیا تو بہت

ناراض ہوں گی۔
امّی کی ناراضگی کا اتنا ڈر ہے۔ آج میرے ساتھ نہیں چلئے گا تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔ کہئے کس کی ناراضگی کا آپ کو زیادہ احساس ہے۔
وہ جواب نہ دے سکی۔ سڑک کے کنارے کھڑے باتوں میں وقت ضائع کرنے سے اچھا اُسے یہی لگا کہ چپ چاپ کار میں بیٹھ جائے۔ اعجاز ماننے والا نہ تھا۔ پھر تکرار سے کیا حاصل۔ اُسے یہ دھڑکا بھی لگا ہوا تھا کہ کوئی آنے جانے والا دیکھ نہ لے۔ ڈری ڈری سہمی سہمی نظر سے اعجاز کو دیکھا اور کار میں بیٹھ گئی۔
شکریہ۔ اعجاز نے شرارت سے مسکرا کر کار کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔
شان خوف زدہ سی کار میں بیٹھی تھی۔ بار بار چاروں طرف دیکھ رہی تھی کہ کوئی جاننے والا اُسے دیکھ تو نہیں رہا۔
کہاں لے جا رہے ہیں آپ؟ گھر کا راستہ چھوڑ کر اعجاز نے گاڑی دوسری طرف موڑ دی تو اس نے سہم کر پوچھا۔
اتنا ڈرتی کیوں ہیں آپ؟ اب میں کوئی غیر نہیں ہوں۔ میں جہاں بھی لے جاؤں چپ چاپ چلی چلئے۔
شان چپ ہو گئی اب وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ گھبراہٹ کے مارے اُس کا خون خشک ہو رہا تھا۔
شہر سے دور ایک کھلے میدان میں پہنچ کر اعجاز نے گاڑی روک دی اور اتر کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

شان نے گھبراہٹ کے مارے کچھ کہنا چاہا۔ مگر اعجاز نے کہنے کا موقع نہیں دیا۔ ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے اتار لیا اور بولا۔ دیکھو کیسی کھلی فضا ہے۔ تھوڑی دیر یہاں بیٹھیں گے۔ تازی ہوا کھائیں گے...... اور پھر چل دیں گے۔

مگر آپ نے یہ اچھا نہیں کیا۔ امّی کچھ نہیں کہے گی۔ اعجاز نے تسلی دیتے ہوئے کہا پھر کار سے چائے کا فلاسک اور ناشتہ کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے کہا چلیئے اس درخت کے سائے میں بیٹھ کر چائے پیئیں گے۔

سہمی ہوئی شان اس شریر محبوب کی ہر بات ماننے پر مجبور تھی۔

چائے پینے کے بعد بھی کافی دیر ہو چکی اور اعجاز نے اٹھنے کا نام نہ لیا تو وہ گھبرا کر بولی۔ بہت دیر ہو چکی۔ اب تو چلیئے۔

چلیں گے۔ مگر ایک شرط پر۔

نہیں نہیں۔ کوئی شرط، وہ بری طرح گھبرا کر بے ساختہ بول پڑی۔

تو پھر بیٹھی رہیئے۔ اعجاز اس کی گھبراہٹ کا لطف لیتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

دیکھئے اتنا نہ ستایئے۔ میری مجبوری کا کچھ تو خیال کیجئے۔

مجبوری کیسی۔ آپ میری ہیں۔ میں آپ کا ہوں۔ بڑے فیصلہ کر چکے۔ اب ہماری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بننے کا انہیں کوئی حق نہیں۔ ہم گھنٹہ بھر کیلئے ایک دوسرے سے مل لیں تو ان کا کیا جاتا ہے۔

ٹھیک ہے۔ مگر قبل از وقت یہ بری بات ہے۔

کیا بری بات ہے۔

اکیلے میں یوں ملنا۔ شان سر جھکا کر بولی۔

میں اسے بری بات نہیں سمجھتا۔آپ کو اپنے پیار کی مقدس امانت سمجھتا ہوں۔قبل از وقت اس امانت میں خیانت واقعی بری بات ہے۔میں اپنے پیار کی تقدیس پر کوئی آنچ نہ آنے دوں گا۔کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں۔

اعتماد نہ ہوتا تو آتی ہی کیوں؟ دراصل میں امی کو جواب دینے کے خیال سے سہمی جارہی ہوں۔آج تک کبھی کالج سے گھر پہنچنے میں دیر نہیں ہوئی،آج کیا کہوں گی۔

حقیقت بیان کردینا۔پھر دھڑکا نہیں رہے گا۔اعجاز نے مسکرا کر صلاح دی۔

نہیں نہیں۔یہ میں کیسے کہہ سکوں گی۔خدایا میں کیا کروں۔وہ بے بسی سے رودینے کے انداز میں بولی۔تو اعجاز نے بڑے پیار سے کہا۔کیوں اتنی سہمی جارہی ہو شانو؟ دیکھو امی کو جب حقیقت کا پتہ چلے گا تو مسکرا کر چپ ہو رہیں گی۔میں اب کوئی غیر تو ہوں نہیں کیا اب بھی مجھے غیر ہی سمجھتی ہو؟

نہیں___ شان نے مسکرا کر مختصر سا جواب دیا اور جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی تو اعجاز نے ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا اور شوخ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔جانے کے لئے پہلے میری شرط ماننی ہوگی۔

کیسی شرط؟

جب بھی میں بلانے آؤں میرے ساتھ چلی آنا چپ چاپ۔اعجاز نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کچھ ایسی اپنائیت سے کہا کہ اس کے منہ سے انکار کا ایک لفظ نہ نکل سکا۔

چلو گی نا۔وعدہ کرو۔

شان نے سر کے اشارے سے ہاں کہی۔
شام کو دھند لکے گہرے ہو رہے تھے جب دونوں واپس ہوئے۔
شان کو اس کے گھر کے قریب والے بس اسٹاپ پر اتار کر اعجاز اپنے گھر چلا گیا۔

شبانہ برآمدے میں بیٹھی بیٹی کا انتظار کر رہی تھی۔ آج سے پہلے کبھی شان کی واپسی میں اتنی دیر نہیں ہوئی تھی۔ کالج سے سیدھی گھر آجایا کرتی تھی۔ جتنی دیر ہو رہی تھی ___ شبانہ کی سوچیں بڑھ رہی تھیں۔ وہ فکر مند ہو کر گیٹ پر نظریں جمائے انتظار کر رہی تھی۔
شان گھر پہنچی تو سات بجنے والے تھے۔ برآمدے میں ماں کو انتظار کرتے دیکھ کر وہ سہم گئی۔ رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا۔
آج اتنی دیر کیوں لگا دی بیٹی۔ ماں نے بیٹی کو دیکھتے ہی سکھ کا سانس لیتے ہوئے پوچھا۔
ماں کا پیار بھرا لہجہ سن کر اس کی جان میں جان آئی۔ وہ بولی کالج کی چند سہلیوں نے پکڑ لیا تھا امّی۔ پارک میں بیٹھے تھے اتنی دیر۔ باتوں باتوں میں وقت کا دھیان نہ رہا۔ پھر بس ملنے میں بھی تھوڑی سی دیر ہو گئی۔
میں تو ہمیشہ سے کہتی ہوں۔ اس طرح الگ تھلگ نہ رہا کرو۔ سہیلیوں کے ساتھ مل کر تھوڑی سی تفریح بھی کر لیا کرو۔ مگر کبھی اتنی دیر نہ لگا دینا میں تو پریشان ہو گئی۔
میری امّی۔ وہ ماں کے گلے میں باہنیں ڈالتے ہوئے بولی۔ آپ اتنی فکر نہ کریں میں اب ننھی سے بچی نہیں ہوں جو کہیں گم ہو جاؤں گی۔

پگلی۔ ماں نے اس کے گال پر پیار سے ہلکی چپت لگاتے ہوئے کہا۔

ماں کے دل کو تو کیا جانے، جب ماں بنے گی تب پتہ چلے گا۔

ماں کی یہ بات سن کر وہ شرما کر اپنے کمرے میں بھاگ گئی۔ کتابیں میز پر رکھ کر وہ بستر پر لیٹ گئی۔ تصور میں اعجاز کا چہرہ تھا اور کانوں میں اس کی باتیں۔

شان اپنے دل میں مسرت کی ان گنت لہریں دوڑتی محسوس کر رہی تھی۔ دن گزر رہے تھے۔

شان اور اعجاز پیار کی راہ پر بہت آگے بڑھ چکے تھے۔ چھٹی کے دنوں کو چھوڑ کر ہر روز اعجاز کار لئے کالج کے دروازے پر موجود رہتا۔

دونوں گھنٹوں ایک دوسرے کی سنگت میں شہر سے دور کھلے میدان میں یا دریا کے سنسان اور ریتیلے کناروں پر گھومتے رہتے دونوں ایک دوسرے کے دل کی دھڑکن بن چکے تھے۔ شان اعجاز کی روح تھی تو اعجاز شان کی زندگی۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر خوشیوں کے جھولے جھولتے۔ دونوں عمر بھر ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا عہد و پیمان کر چکے تھے۔

اُدھر شبانہ کی جہاندیدہ نگاہیں بیٹی کی تبدیلی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اپنی کلاس فیلو لڑکیوں سے الگ تھلگ ہمیشہ صرف پڑھائی کی دھن میں مست رہنے والی شان اب پڑھائی سے تھوڑی سی بد دل اور سیر تفریح کے شوق میں دیوانی ہو رہی تھی۔ اچانک اس تبدیلی کی وجہ سے شبانہ کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی مگر آج وہ سب کچھ سمجھ گئی۔ ڈاکٹر سے عادل کی دوا لے کر وہ بس میں آ رہی تھی تو کار میں شان اور اعجاز کو جاتے اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کوئی اور کہتا تو

وہ اس بات کا کبھی یقین نہ کرتی اُسے اپنی بیٹی پر اتنا بھروسہ تھا کہ وہ ماں سے پوچھے بغیر کوئی کام نہ کرے گی۔ مگر اس کی بیٹی نے اس کے بھروسے کو بڑے زور کا دھچکا لگایا تھا۔ نہ صرف اتنے دنوں پڑھائی سے لاپرواہ رہ کر اپنے ہونے والے منگیتر کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی بلکہ کئی جھوٹے بہانے بنا کر اُسے مطمئن کرنے کی کوشش بھی کرتی رہی۔ بیٹی کی جسارت نے اُسے سوچ میں ڈال رکھا تھا۔

شام کے دھندلکے گہرے ہو چکے تھے۔ وہ بیتابی کے عالم میں برآمدے میں ٹہل رہی تھی۔ بیٹی کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ کافی ٹہلنے کے بعد تھک کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں گیٹ پر لگی تھیں۔ خاصہ اندھیرا اچھیل چکا تھا جب شان گھر پہنچی۔

آج بھی سہیلیوں نے پکڑ لیا ہوگا جو دیر ہوگئی۔ ماں کے پوچھنے کا انداز اتنا کڑا تھا کہ شان سہم گئی۔ اس کا دل بُری طرح دھڑکنے لگا وہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔

میں پوچھتی ہوں آج کا پروگرام کیا تھا۔ اس نے کڑی نظروں سے بیٹی کو دیکھتے ہوئے تیز لہجہ میں پوچھا۔

شان بری طرح گھبرا رہی تھی۔ دم الجھنے لگا۔ رنگ فق ہوگیا۔ حلق سوکھنے لگا۔ باوجود کوشش کے اب بھی وہ جواب میں ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکال سکی۔

بیٹی ___ ماں سے اتنی جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی شان کی حالت دیکھ کر ماں خود سہم گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اب غش کھا کر گر پڑے گی اسی

لئے اس نے اپنا لہجہ بدل لیا۔

امی۔ ماں کے بدلے ہوئے لہجہ نے اس کی ہمت بندھائی اور وہ کتابیں میز پر رکھ کر ماں کے قریب آئی۔ پاس بیٹھ گئی اور اُن کی گود میں اپنا سر رکھ دیا۔

ماں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھراتے ہوئے پوچھا۔

ہمیشہ تم اعجاز کے ساتھ ہی گھومنے جایا کرتی تھیں نا۔ شان نے چہرہ ماں کی گود میں چھپاتے ہوئے صرف ہاں کہی۔

اتنی جلدی وہ تم سے اس قدر قریب ہو گیا، جس کیلئے ماں سے جھوٹ بولنے، بہانے بنانے پر تیار ہو گئی۔

ماں کے لہجہ میں گہری شکایت تھی۔

ماں سب کچھ جان گئی۔ یہ سوچ کر شرم و حیا کی زیادتی سے...... اس کی زبان گنگ ہو گئی۔

شبانہ نے اپنی گود میں چھپا ہوا۔ بیٹی کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور پھر بڑی نرمی سے بولی۔

بیٹی ___ اس طرح چھپ چھپ کر ملنا اچھی بات نہیں ہے۔ دنیا بدنام کرنے پر تل جائے تو اس کی زبان کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ پیار کی پاکیزگی کو کوئی دیکھے گا، نہ سمجھے گا، جتنے منہ اتنی باتیں ہوں گی میری بچی۔ میں تو تیرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دینے کے لئے ہاں کر چکی ہوں۔ کیا تم دینی اور دنیاوی طور پر اس کی ہونے تک اس سے دور نہیں رہ سکتیں۔ یہ نہ سمجھنا ماں حکم دے رہی ہے۔ صرف التجا ہے۔

شان سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

جاؤ بیٹے۔ چائے تیار ہے۔ پی لو۔ اور آرام کرو، شان اٹھی نہیں۔ اس نے پھر اپنا چہرہ ماں کی گود میں چھپا لیا اور بولی امی! میں اس طرح ملنے کی قباحت کو سمجھتی ہوں مگر وہ نہیں مانے۔ ان کے ملتجیانہ اصرار کو رد نہیں کر سکتی۔ کیا کروں کالج ہی نہ جاؤں کالج نہ جاؤ گی۔ امتحان کے لئے اب تھوڑے ہی دن رہ گئے ہیں۔ سال بھر کی محنت برباد ہو جائے گی۔ ایسا کرو ایک بار اس سے مل کر اونچ نیچ سمجھا دو سمجھدار لڑکا ہے۔ وہ مان جائے گا۔

کوشش کروں گی۔ امّی اس مشکل میں تو مجھے آپ ہی نے ڈالا ہے۔ میں تو آگے پڑھنا چاہتی تھی۔ برسوں کی محنت سے تھکی اپنی امی کو سکھ پہنچانا چاہتی تھی۔ کماؤ بیٹا بن کر۔

پگلی ہے تو۔ اپنی آنکھوں میں مسرت کے آنسو بھر کر ماں نے بڑے پیار سے بیٹی کی پیشانی چوم لی اور بولیں۔ میں تو اب ختم کے قریب ہوں۔ دکھ سکھ کے دن آدھے سے زیادہ بیت گئے۔ تھوڑے سے رہ گئے ہیں۔ وہ بھی جیسے تیسے بیت جائیں گے۔ میرے دل کا ارمان تو یہ ہے کہ میری بیٹی سکھی رہے زندگی میں کسی چیز کی کمی نہ رہے۔ لڑکی کو یہ سارا سکھ کسی کے گھر بسانے سے ہی ملتا ہے۔ اکیلی چاہے وہ ہزاروں روپیہ کمائے مگر زندگی ادھوری ہی رہے گی۔ ساتھی کے بغیر یہ دنیا ذرا اچھی نہیں لگے گی۔ عادل کے زور سے کھانسنے کی آواز آئی تو دونوں گھبرا کر اٹھیں اور اندر چلی گئیں۔

دوسرے دن شان وقت سے پہلے کالج سے باہر نکلی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی بس اسٹاپ کی طرف جارہی تھی کہ اس کے بالکل قریب کار کورکتے دیکھ کر بری طرح مسکراتا ہوا کار سے باہر نکل کر اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور بولا لگتا ہے آج مجھ سے بچنے کے لئے وقت سے پہلے بھاگی جارہی ہو۔ تمہیں کیا معلوم یہ خادم یہاں گھنٹہ بھر پہلے موجود رہ کر انتظار کرتا ہے۔

سرمئی سوٹ میں کتنا دلکش لگ رہا تھا وہ۔ شان اسے ایک ٹک دیکھ رہی تھی اسے اپنے دل میں چھپا کر رکھنے کو اس کا جی چاہ رہا تھا۔

چپ کیوں ہو؟ فرار اب ناممکن ہو گیا ہے۔اس لئے اعجاز نے مسکرا کر پوچھا۔تو وہ چونک کر بولی مجھے آج جلدی گھر جانا ہے۔اسی لئے وہ پیریڈ چھوڑ کر کالج سے نکلی تھی۔

شان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اس نے کار کا دروازہ کھول دیا۔وہ بولا بیٹھ جاؤ۔آج مجھے تم سے ایک ضروری کام تھا۔

آج مجھے تو بہت جلد گھر پہنچنا ہے۔امی انتظار کر رہی ہوں گی۔

امی تو ہر روز انتظار کرتی ہیں۔آج کونسی نئی بات ہے۔کسی دن تو لیت و لعل کے بغیر مان جایا کرو۔ ہر روز میرا موڈ خراب کر کے جاتی ہو۔

اچھا یہ بتائیے کام کیا ہے۔شان نے چھٹکارا ملنے سے مایوس ہو کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

بیٹھ جاؤ۔پھر بتائیں گے۔اعجاز نے اُسے پکڑ کر اگلی سیٹ پر دھکیل دیا اور دروازہ بند کر کے خود اپنی سیٹ پر گیا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

میں پوچھتا ہوں۔ تم مجھ سے اتنا گھبراتی کیوں ہو؟ کیا میں کھا جاؤں گا وہ غصے سے بھر کر بولا۔

شان۔ اسے غصہ میں دیکھ کر مسکرا دی۔

صرف مسکرا دینے سے کام نہیں چلے گا۔ جواب دو کیا تمہیں میرا ساتھ پسند نہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر میں تمہیں پریشان کرنے کبھی نہیں آؤں گا۔ تمہیں اپنی ملکیت سمجھ کر حکومت جتا رہا تھا۔ وہ دکھی ہو کر کہہ رہا تھا خوف سے کھلے ہوئے چہرے پر مرجھاہٹ چھا رہی تھی۔

اعجاز کا رنجیدہ ہونا وہ برداشت نہ کر سکی۔ اس نے اپنا ہاتھ اعجاز کے کندھے پر رکھ دیا اور مسکرا کر بولی۔ ایسا کیوں سوچتے ہو؟

پھر کیا کروں۔ یاد کرو ایک دن بھی بہانہ تراشیوں کے بغیر خوشی خوشی چلی ہو میرے ساتھ۔

وہ دن تو آنے دیجئے۔ پھر مجبور ہو کر دن رات آپ کے ساتھ رہوں گی۔ شان نے شرماتے ہوئے کہا۔ اعجاز کے چہرے پر چھائی ہوئی مایوسی دیکھ کر وہ دل کی بات زبان پر لے آئی تھی۔ سچ کہتی ہو۔ اعجاز نے خوش ہو کر پوچھا۔۔۔

ہاں۔۔۔ شان نے سر جھکا کر کہا۔

وہ دن تو اب بہت قریب آ گئے ہیں۔ ابا جان دو دن میں آنے والے ہیں۔ بس پھر چٹ منگنی پٹ بیاہ۔ تم ہمیشہ کے لئے میری بنا دی جاؤ گی۔ شانو اب تم سے جدا رہا نہیں جاتا۔ ایک دن تمہیں نہیں دیکھتا ہوں تو بیقرار ہو جاتا ہوں۔ اسی لئے تمہیں پریشان کرنے اپنے سو کام چھوڑ کر چلا آتا ہوں۔

میری ایک بات مانیں گے آپ۔ شان کے لہجہ میں التجا تھی۔

کہو۔

اب آپ اس طرح نہ آیا کیجئے۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر ہم......وہ آگے نہ کہہ سکی۔ اپنی بات سے شرما گئی۔

تمہاری یہی مرضی ہے تو یہی سہی۔ مگر سوچتا ہوں۔ اتنے دن گزاروں گا کیسے؟ خیر جا کہاں رہے ہیں آپ؟

بازار ایک چیز خریدنا تھا۔

تو اس کے لئے مجھے کیوں گھسیٹ لیا ساتھ۔

چیز تمہارے لئے خریدنی ہے۔ تم اس کو پسند کرو گی۔ اس لئے۔

نہیں نہیں۔ میرے لئے کیوں؟ میں امّی سے پوچھے بغیر کوئی چیز آپ سے نہ لوں گی۔

بھئی۔ میں عاجز آگیا ہوں، ہر بات میں امی۔ صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں مجھے خود یہ پسند نہیں۔ بیکار امی کی آڑ لے رہی ہو۔

یہ بات نہیں ہے آپ یقین کیوں نہیں کرتے۔ امی کی ناراضگی سے میں بہت ڈرتی ہوں ___ ڈرتی ہو۔ تو ڈرو۔ منع کون کرتا ہے۔ ماں ہیں ذرا غصے میں آ کر ڈانٹ دیں گی اور کیا کریں گی؟ ماں ہو کر گلا کاٹنے سے رہی۔

کار ایک زیورات کی بڑی دکان کے آگے رک گئی۔ شان یہاں تکرار نہ کر سکی چپ چاپ اتر کر اعجاز کے پیچھے اندر چلی گئی۔

ریڈی میڈ انگوٹھیوں میں ڈائمنڈ کی ایک قیمتی انگوٹھی خرید کر دونوں باہر نکلے اور موٹر میں سوار ہو گئے ___ اب تو مجھے گھر پہنچا دیجئے۔

شانو___ میں نے تمہاری بات مان لی۔آج کے بعد ہم ایک بندھن میں بندھنے کے بعد ہی ملیں گے۔اس لئے میں چاہتا ہوں آج تم دیر تک میرے ساتھ رہو میرے لئے آج اپنی امّی کی ناراضگی برداشت کر لینا۔کرو گی نا؟

کرنا ہی پڑے گا۔ورنہ آپ جو ناراض ہو جائیں گے کچھ کم غصیلے نہیں ہیں آپ بھی ڈر لگتا ہے جانے کونسی بات پر ناراض ہو جائیں۔

شکریہ۔ہر عورت کو اپنے مرد سے تھوڑا سا ڈرنا بھی چاہئے___ اعجاز نے شرارت سے مسکرا کر کہا۔تو وہ بری طرح شرما گئی۔

گاڑی ایک کشادہ مگر سنسان راستے پر دوڑ رہی تھی۔

شانو۔ندی کے کنارے بیٹھ جائیں تھوڑی دیر۔

جیسی آپ کی مرضی۔

بڑی فرمانبردار بن گئی ہو۔ہر بات چپ چاپ مان لیتی ہو۔

آپ کا حکم جو ہوا۔کیسے نہ مانوں۔

حکم نہیں التجا۔

جو بھی ہو۔ماننا ہی پڑے گا۔

زبردستی کیا۔

نہیں۔دل ماننے پر مجبور کر رہا ہے۔شان نے مسکرا کر کہا۔

اعجاز بھی مسکرا دیا۔

دونوں کار سے اتر کر ندی کے کنارے جا بیٹھے تو اعجاز نے پیار سے شان کا ہاتھ تھام لیا اور جیب سے انگوٹھی نکال کر اس کی انگلی میں ڈالتے ہوئے بولا۔اسے کبھی نہ اُتارنا۔یہ میری محبت کی نشانی ہے۔پھر اُس کا وہی ہاتھ

ہونٹوں سے لگائے رکھا۔
شان چپ چاپ بیٹھی پیار بھری نظروں سے اعجاز کی جانب دیکھ رہی تھی۔ دل میں اتنی خوشی بھری ہوئی تھی جیسے دو جہاں کی دولت مل گئی ہو۔
کئی لمحوں کے بعد اعجاز نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر اُس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ تو اس نے اپنا سر جھکا لیا۔
میری اپنی شانو۔ وفورِ جذبات سے وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ شان کے جھکے ہوئے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لے کر اونچا کیا تو اس نے بری طرح لجا کر اس کے کندھے پر اپنا سر ٹکا دیا۔
اعجاز نے اس کا ہاتھ ایک بار پھر اپنے مضبوط ہاتھ میں لیا۔ نظر سے ایسا لگا۔ اعجاز نے اس کا ہاتھ نہیں زندگی کی باگ ڈور تھام لی ہو۔

عادل کی طبیعت آج بہت خراب تھی۔ رات بھر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کھانسی کے شدید دورے پڑتے رہے۔ وہ بے حال اپنا سینہ دونوں ہاتھوں سے دبائے بیٹھا کھانستا رہا۔ پھر جب زور تھم جاتا تو وہ تھکن سے چور بے حال ہو کر گھنٹہ بھر کے لئے لیٹ جاتا۔
رات بھر شبانہ بھی اسکے ساتھ جاگتی رہی اور شوہر کی اس ابتر حالت پر کڑھتی رہی۔ وہ علاج میں کوئی کمی نہیں کر رہی تھی۔ اپنی محنت کی کمائی کا بڑا حصہ عادل کے علاج ہی پر صرف ہو رہا تھا۔
پھر بھی وہ پر امید تھی ہر معاملہ خدا پر چھوڑ کر مطمئن ہو بیٹھی تھی۔ اس لئے

وہ کبھی بیمار نہیں ہوئی کتنے دکھ اس اکیلی جان سے جھیلے تھے۔ اب بھی جھیلے جا رہی تھی۔ پھر بھی وہ تندرست تھی۔ عادل مرد ہو کر دکھوں سے ہار گیا۔ ایکسیڈنٹ میں ٹانگ کٹ جانے کے بعد جب اپاہج ہو کر گھر بیٹھ رہا تو مایوسیوں نے اسے ادھ مرا کر دیا۔ بیکار بیٹھا نہ جانے کیا کیا سوچا کرتا۔ دن بدن سوچیں بڑھتی گئیں اور ان ہی سوچوں نے اسے بلڈ پریشر کا مریض بنا دیا۔ شبانہ کو کام کرتے دیکھ کر وہ دن رات کڑھتا۔ کڑھن بڑھتی گئی تو مزاج بھی چڑچڑا ہوتا گیا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی بلاوجہ بھی اسے زور کا غصہ آ جاتا اور خواہ مخواہ چیختا چلّاتا رہتا۔ اُسی دن اس کا بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا۔

شبانہ اسے خوش رکھنے، غصہ نہ دلانے کی پوری کوشش کر رہی تھی مگر وہ جانتی تھی کون سا دکھ اسے کھائے جا رہا ہے۔ اس بے بس دل آزار انسان کی روح کے ساتھ لپٹے اس غم و آلام سے نجات دلانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

عادل کے کراہنے کی آواز سن کر وہ اٹھی۔ دوا کا وقت ہو چکا تھا۔ گلاس میں دوا لیکر وہ اسکے پاس پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ عادل دوا پی لیجیئے۔

نہیں ___ میں دوا نہیں پیوں گا۔ پھینک دو اسے۔ عادل نے چیخ کر کہا مجھے نفرت ہو چکی ہے دوا سے۔

دوا سے سب نفرت کرتے ہیں۔ کسے دوا پینے کا شوق ہوتا ہے مگر اچھا ہونے کے لئے یہ نفرت انگیز چیز پینی ہی پڑتی ہے۔ پی لیجیئے نا۔

میں اچھا ہونا نہیں چاہتا۔ مجھے مرنے دو، کیوں میرے پیچھے پڑی ہو۔ عادل نے پھر چیخ کر کہا۔

ایسا نہ کہیئے۔ شبانہ نے اپنا ہاتھ اسکے منہ پر رکھتے ہوئے کہا۔ آپ مرنا

چاہتے ہیں تو پھر میں بھی کر کیا کروں گی۔
تم بھی مر جانا میرے ساتھ۔ ایسے جینے سے مرنا ہی اچھا ہے۔
شان اپنے گھر کی ہو جائے پھر ہم مرنے کی سوچیں گے۔ ایسے میں
اسے کس کے سہارے چھوڑ جائیں۔
ٹھیک کہتی ہو تم۔ اپنی بچی کے لئے ہمیں کچھ دن اور جینا ہے۔ لاؤ دوا
پی لیتا ہوں۔
شبانہ اپنی فتح مندی پر مسکرا دی اور دوا پلا کر گلاس میز پر رکھ دیا۔
شان دودھ لے آئی تو عادل نے پوچھا۔ آج کالج نہیں گئی بیٹی۔
نہیں ابو۔ آج چھٹی ہے۔
شبانہ نے دودھ کا گلاس لیکر عادل کے منہ سے لگا دیا تو وہ ایک گھونٹ پی کر پھر غصے میں آ گیا اور چیخ کر بولا بیٹی کیا مصیبت ہے تم لوگوں نے میرا جینا عذاب کر رکھا ہے۔
اب کیا ہوا۔ شبانہ نے سہم کر پوچھا۔ وہ ڈر رہی تھی۔ کہیں اتنا چیخنے سے پھر کھانسی کا دورہ نہ پڑ جائے۔
یہ پھیکا دودھ مجھے کیوں دیا جا رہا ہے۔ چینی پر تو اب کنٹرول نہیں رہا۔
ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔
کیا۔ نمک تو منع تھا ہی اب میٹھا بھی بند۔ عجیب مصیبت ہے میری زندگی ڈاکٹر کے حکم کے تابع ہو کر رہ گئی ہے۔ لے جاؤ۔ یہ میں نہیں پیتا۔
دیکھئے بچوں کی طرح ضد نہ کیجئے۔ طبیعت اچھی ہو جائے کسی طرح پھر خوب میٹھی چیزیں بنا کر کھلاؤں گی۔

نہیں۔آج میں ناشتہ کروں گا۔ دلاری کہہ رہی تھی۔آج ناشتہ کیلئے پوری مسالہ بن رہا ہے۔وہی میں کھاؤں گا۔ کتنے دنوں سے کوئی نمکین چیز نہیں کھائی۔

آپ کیلئے پرہیزی ناشتہ بن رہا ہے۔اس وقت یہ دودھ پی لیجئے۔دوا پینے کے بعداوپر سے دودھ پلانے کوڈاکٹر نے کہا ہے۔

میٹھا کر کے لاؤ تو پیتا ہوں۔یہ پھیکا مجھ سے نہیں پیا جائے گا۔

بیٹی ___ ایک ذرا چینی ڈال لے آؤ۔یہ اپنی ضد نہیں چھوڑیں گے۔

ماں کی حالت پر دل ہی دل میں افسوس کرتی ہوئی شان سوچ رہی تھی جانے کس طرح اس ضدی اور چڑچڑے مزاج کے آدمی سے امی نباہ کئے جارہی ہیں۔کبھی چھوٹے بچوں کی طرح انہیں بہلا پھسلا کر کام چلانا پڑتا ہے۔ وہ یہ سب کچھ بڑی خوشی سے کر رہی ہیں۔وہ کبھی ان کی بے جا حرکتوں کے باوجود خفا نہیں ہوتیں۔بلکہ الٹا انہیں مناتی رہتی ہیں وہ یہی سب کچھ سوچتی ہوئی دودھ میٹھا کر کے لے گئی اور گلاس ماں کے ہاتھ میں دے کر چلی آئی۔

عادل نے دودھ پی لیا تو شبانہ نے خالی گلاس لے کر میز پر رکھ دیا اور پاس بیٹھ کر اس کی پیٹھ سہلانے لگی۔

شیبا۔مجھے معاف کر دینا۔کبھی کبھی میں تمہیں بہت ستاتا ہوں۔ننھے بچے کی طرح ضد کرنے لگتا ہوں۔

تو کیا ہوا۔مجھے یہ سب اچھا لگتا ہے۔شبانہ نے مسکرا کر کہا۔

کبھی کبھی ڈانٹ بھی دیتا ہوں مگر تم میری کسی بات کا برا نہیں مانتیں سوچتا ہوں۔کتنا احسان فراموش ....

شی۔ شبانہ نے جلدی سے اس کے ہونٹ پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔
ایسی ہی باتیں کرنی ہیں تو میں نہیں بیٹھتی۔ وہ اٹھ کر جانے لگی تو عادل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تم کتنی اچھی ہو شیبا۔
رات بھر سوئے نہیں ہیں آپ۔ سو جایئے۔ سو کر اٹھنے سے طبیعت ہلکی ہو جائے گی۔
کوشش کرتا ہوں سونے کی۔ عادل نے فرمانبردار بچے کی طرح بات مان لی اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔
شبانہ پاس بیٹھی بڑے پیار سے اس کی پیشانی اور سر کو سہلانے لگی۔
عادل سوچ رہا تھا۔ کتنی مخلص ہمدرد اور رحم دل ہے۔ میری شیبا۔ مجھ جیسے اپاہج کے ساتھ برسوں سے ایثار کیئے جا رہی ہے۔ اپنا چین وسکون میرے لئے حرام کئے بیٹھی ہے۔ کتنے پیار سے وہ میری خدمات اور تیمارداری کر رہی ہے۔ کبھی لمحہ بھر کیلئے بھی اس کے چہرے پر ناگواری یا بیزاری کی جھلک تک نہیں آتی کتنی اچھی۔ کتنی ہمدرد اور مخلص ہے میری شیبا۔ خدایا میں اس نیک دل ہستی کو کوئی سکھ کوئی خوشی نہ دے سکا تو بڑی طاقت والا ہے میرے رب۔ میری شیبا کو نیک اجر دے مالک۔ اسے اپنی اکلوتی اولاد کی بے شمار خوشیاں دکھا۔
وہ یہی سب کچھ سوچتا ہوا آنکھیں بند کئے بڑی دیر تک پڑا رہا۔ شبانہ سر سہلا رہی تھی۔ اسے بڑا سکون مل رہا تھا۔ پھر نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

بی بی جی۔ فوزیہ بی بی کب سے آئی بیٹھی ہیں۔ دلاری نے آ کر کہا۔
تو تم نے اب تک خبر کیوں نہ دی۔ شبانہ نے غصہ سے پوچھا اور اٹھ کر

دروازہ کی طرف مڑی تو دروازے پر فوزیہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔
معاف کرنا فوزی اس دلاری کی بچی نے تمہارے آنے کی خبر اب دی ہے۔
میں نے ہی منع کر دیا تھا۔ پھر شبانہ کے کان میں سرگوشی سے بولی تم اپنے ننھے کو سلا رہی تھیں۔ ایسے میں تمہیں بلانا کیا مناسب تھا۔
شریر کہیں کی۔ شبانہ جھینپ کر بولی۔ رات بھر بے چینی تھی سوئے نہیں ابھی ابھی آنکھ لگی ہے۔
تمہاری آنکھیں بھی لال ہو رہی ہیں۔ کیا تم بھی نہیں سوئی۔
کیسے سو جاتی یہ رات بھر کھانستے رہے ہیں۔
اُف۔ دن رات کی یہ محنت۔ کہیں خدا نہ کرے تمہیں بھی بیمار نہ ڈال دے۔
فی الحال تو تندرست ہوں۔ آگے جو اس کی مرضی۔ شبانہ مسکرا کر بولی۔
اشفاق صاحب شان کو دیکھنے آئے ہوئے ہیں۔ فوزیہ نے بتایا تو شبانہ نے خوش ہو کر پوچھا۔ کب آئے وہ؟
کل شام۔ تمہاری بیٹی انہیں بھی بہت پسند آگئی ہے۔ بڑے پیار سے اپنے پاس بٹھائے ہوئے ہیں۔
شان انہیں بھی پسند آگئی۔ یہ سن کر شبانہ کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔
منگنی کی رسم ذرا دھوم سے کرنی ہے تم سے بھی صلاح مشورہ کرنا تھا۔

اس لئے ہم آئے ہیں۔ باہر بیٹھے کب سے ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

دونوں باہر والے کمرے میں پہنچیں۔ اشفاق صاحب کی پیٹھ دروازے کی طرف تھی۔ شبانہ دروازے پر رک گئی۔ شان کو قریب بٹھائے وہ بڑے پیار سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں مسرت کے آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اتنے چاہنے والے ساس سسر ملنے والے۔ اس کی بیٹی کو وہ خوش ہو کر سوچ رہی تھی کہ فوزیہ کے ہنسنے کی آواز سن کر چونک پڑی۔ دروازے ہی پر کیوں رک گئیں۔ کیا شرم آتی ہے سمدھی کے سامنے آتے۔

یہ سنتے ہی اشفاق صاحب نے مڑ کر دیکھا اور اسی ڈر گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے شیبا تم......

شاہ......انکل......وہ بڑی مشکل سے کہہ سکی۔

مت کہو مجھے انکل۔ مجھے انکل کہنے کے قابل کہیں رہی تم۔

کیوں کون سا گناہ کیا میں نے ___ شبانہ بھی بپھر گئی۔

بڑوں کی عزت پر تھوک گھر سے بھاگ جانا ثواب کا کام ہے گویا۔

بڑے دل پتھر کر لیں اور ظلم ہی کرنے پر تل جائیں تو......

تو انہیں یہی سزا دینی چاہئے۔ کیوں اشفاق صاحب نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔ شبانہ کا سر جھک گیا وہ چپ رہی۔

ایک بار بریلی جا کر اس حویلی کو دیکھو جہاں تمہارے باپ دادا اور پردادا کی عزت کے جھنڈے گڑھے ہوئے تھے۔ آج وہاں کی کیا حالت ہے۔ بھوتوں نے اس حویلی کو اڈا بنالیا ہے۔ کوئی انسان اس کے اندر داخل ہونے کی

جرأت نہیں کر سکتا۔

شان چپ چاپ پتھر کی بنی بیٹھی اشفاق صاحب کا اور اپنی ماں کا منہ تک رہی تھی۔

شبانہ سے آپ کا اتنا قریبی رشتہ ہے۔ یہ بات آج تک مجھے معلوم نہ ہو سکی۔ فوزیہ نے جو حیرت کے مارے اتنی دیر خاموش بیٹھی تھی۔ پوچھا۔

شیبا سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔ اس کے والد شوکت صاحب میرے جگری دوست ہیں۔ ان کی بیوی کا انتقال ہوا تو تعزیت کیلئے میں تمہیں بھی ساتھ لے گیا تھا۔

نئی ماں فوت ہو گئیں۔ شبانہ نے گھبرا کر پوچھا۔

ہاں۔ چھ سال ہو گئے اور اپنے باپ کی حالت سنو گی۔ اپنے گاؤں والے بڑے بنگلے میں ہوس ارسٹ قیدی بنے بیٹھے ہیں۔ رشتہ دار، دوست، احباب کسی کے سامنے گردن نہیں اٹھا سکتے۔ اسی لئے اس اجاڑ گاؤں میں منہ چھپائے بیٹھے ہیں۔ بیکار بیٹھے بیٹھے صحت بھی خراب ہو چکی ہے۔ کتنے زندہ دل کتنے مصروف آدمی تھے۔ شوکت۔ آج بھی وہ زندہ ہیں۔ مگر مردے سے بدتر انہیں اس حالت پر پہنچانے کی ذمہ دار تم ہو...... صرف تم......

شبانہ خاموش تھی۔ وہ بحث کرنا نہیں چاہتی تھی۔

ان کی بد دعا لے کر کونسا سکھ پالیا تم نے۔ آگے بھی دیکھ لو۔ خوشی تمہارے پاس سے بھی ہو کر نہیں پھٹکے گی۔ زندگی کا یہ مقدس بندھن ہمیشہ بزرگوں کی دعاؤں کے ساتھ بندھنا چاہئے وہی پھولتا پھلتا ہے۔ اپنا حشر دیکھو اور خوب سوچو۔ میں نے غلط تو نہیں کہا۔ اتنا کہہ کر اشفاق صاحب جانے کو اٹھ

کھڑے ہوئے اور بیوی سے پوچھا۔تم چلتی ہو یا ابھی بیٹھو گی۔کہو تو میں جا کر گاڑی بھیج دوں۔

کام کی بات تو ہوئی نہیں اور آپ چلنے کو تیار ہو گئے۔فوزیہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

کیا بیوقوفی کی بات کرتی ہو۔میں اس سے رشتہ قائم کرلوں جس نے میرے جگری دوست کو کہیں کا نہ رکھا۔یہ ناممکن ہے، مجھے اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو میں کبھی یہاں نہ آتا۔اشفاق صاحب نے غضب ناک ہو کر کہا۔

شبانہ پتھر کی بنی دیوار سے ٹیک لگائے خاموش کھڑی تھی۔ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے اس کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔

اشفاق صاحب چلے گئے،فوزیہ رک گئی۔

شان بے سدھ بیٹھی تھی۔اس کے سینے کی تیز دھڑکن قابو سے باہر ہوتی جارہی تھی۔اشفاق صاحب کی باتیں کان میں پگھلے ہوئے شیشے کی مانند جارہی تھیں اور وہ اپنے غصے کو ضبط کرنے اور اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کررہی تھی۔

شیبا۔بیٹھ جاؤ۔کب تک یوں کھڑی رہو گی۔فوزیہ نے اسے پکڑ کر کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

شبانہ اب بھی بت بنی ہوئی تھی۔دماغ پریشان ہو چکا تھا۔کچھ سوجھ نہ پڑتا تھا۔

ماں کی حالت دیکھ کر شان تڑپ کر اٹھی اور ماں کو جھنجھوڑ کر گلو گیر آواز میں بولی۔امی۔ہوش میں آئیے کیا ہو گیا ہے آپ کو۔

کچھ نہیں ہوا بیٹے! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ شبانہ نے چونک کر جواب دیا۔ بیٹی ایک گلاس پانی لے آؤ۔

شان پانی لانے کو دوڑی۔

فوزی تم ابھی تک بیٹھی ہو۔

ہاں مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔

فوزی۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ خدا کیلئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔

ناراض ہو گئیں مجھ سے۔

نہیں۔ میری تقدیر مجھ سے ناراض ہے۔ شاید مہربان باپ کی بد دعاؤں کی وجہ سے جس باپ نے کبھی دعا نہیں دی۔ اس کی بددعاؤں میں اتنا بڑا اثر کہ میری بچی کی زندگی...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ فوزیہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ میں مایوس نہیں ہوں کوشش جاری رکھوں گی۔

کیسی کوشش؟

شان اور اعجاز کو ایک کرنے کی۔

نہیں۔ اب یہ ناممکن ہے۔

تم بھی وہی کہتی ہو۔

ہاں۔ اب یہی ٹھیک ہے۔

کیا ٹھیک ہے۔ تم کیا جانو۔ دونوں نے ایک دوسرے کا ہو جانے کا فیصلہ لیا ہے__ تو کئے ہوئے فیصلے بدلے بھی جا سکتے ہیں۔

دونوں بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ اب انہیں فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں

کیا جا سکتا۔

دونوں کو آگے بڑھنے میں مدد کس نے دی۔ سارا کیا دھرا تمہارا ہی تو ہے اسی لئے کہتی ہوں کہ اب ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ اعجاز کو سمجھاؤ اور جلد سے جلد اس کی شادی کرا دو۔ اچھے خاندان کی خوبصورت لڑکی مل جائے گی تو آہستہ آہستہ سب کچھ بھول جائے گا۔ وقت کا ساتھ دل کے ولولے بھی بدل جاتے ہیں۔ میری بیٹی کی فکر نہ کرو۔ وہ میری طرح زندگی کے بوجھ اٹھانا جانتی ہے۔

شان پانی کا گلاس لئے دروازے پر کھڑی دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کی اپنی ماں اور اعجاز کے باپ دونوں نے اُس کی تقدیر بدلنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ جان کر اس کا دل کانپ اٹھا۔ مگر اُس نے جفا سے کام لیا۔ وہ آگے بڑھی پانی کا گلاس ماں کو دے کر بڑی مشکل سے اپنے جسم کو گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے تک لے گئی اور اپنے آپ کو پلنگ پر گرا دیا۔ اسے کیا معلوم تھا۔ کئی دنوں سے اس کے دل و دماغ میں مسرت کی جو پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں اچانک یوں سرد ہو جائیں گی۔

8

رات کو بستر پر لیٹی شان کروٹیں بدل رہی تھی۔ نیند کا اس کی آنکھوں میں دور تک پتہ نہ تھا۔ سوچوں نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ اپنی محبت کا یہی انجام ہونا تھا۔ یہ سوچتی تو اسے ایسا لگتا جیسے کوئی اندر سے کلیجہ مسل رہا ہے۔

ماں کے کمرے سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ گو وہ دونوں بہت آہستہ بات کر رہے تھے۔ پھر بھی رات کی خاموشی میں ان کی باتیں صاف

سنائی دے رہی تھیں۔

شاہ کی باتیں آپ سن رہے تھے۔

ہاں۔

تو آپ سوئے نہیں تھے۔

سویا تو تھا۔ مگر اُس امیر زادے کی باتوں کی گرج سے آنکھ کھل گئی شیبا

تم رات بھر جاگی ہو۔ بہت تھکی ہوئی ہو۔ سو جاؤ۔

آنکھوں میں نیند نہیں ہے تو کیسے سو جاؤں۔

کیا شاہ کی باتوں نے تمہاری نیند اڑا دی ہے۔

شبانہ خاموش تھی۔ شاہ کی باتیں اس کے کانوں میں ابھی تک گونج

رہی تھیں۔

شیبا تمہیں یاد ہو گا۔

کیا؟

ہماری شادی سے ایک دن پہلے جب ہم ڈاک بنگلے میں تھے تو میں

نے تم سے پوچھا تھا کہ تم جو فیصلہ کر رہی ہو اس کیلئے زندگی میں تمہیں پچھتانا

پڑے۔

تو کیا آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں پچھتا رہی ہوں۔

ہاں ___ اتنے سالوں میں آج تمہارے چہرے پر میں پچھتاوا دیکھ

رہا ہوں۔

یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں آپ کی ہو کر کبھی نہیں پچھتائی۔ میرے

دل میں آپ کا پیار بھرا ہے۔ جس نے مجھے طوفان سے لڑنے کی ہمت دی۔

اب یہ سوچ میرے دل کو چیرے ڈالتی ہے کہ کہیں میری بچی کو بھی اپنے پیار کی خاطر طوفانوں سے نہ لڑنا پڑے۔

کیا کہتی ہو تم ؟

شان اور اعجاز ایک دوسرے کو بہت پسند کرنے لگے ہیں۔ دو دل مل کر ایک دوسرے کے قریب ہو کر بچھڑ گئے۔ اب ان کا ملاپ کیسے ہوگا؟ میری بچی کے سہانے خواب بکھر گئے۔ میری وجہ سے صرف میری وجہ سے۔ یہ کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ماں کی سسکیوں کی آواز شان کے کانوں میں آ رہی تھی اور وہ بستر پر بے چین ہو رہی تھی۔ ماں جس کی آنکھوں میں اُس نے کبھی آنسو نہیں دیکھے۔ زندگی کے ہر دکھ درد کو مسکراتے ہوئے سہ جانے والی اُس کی ماں آج یوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ اپنے دکھوں کا اسے احساس نہیں رہا۔ آئندہ بیٹی کی زندگی میں آنے والے درد کو سوچ کر وہ یوں بیقرار ہو گئیں۔ اس کا جی چاہنے لگا کہ اٹھ کر جائے اور اپنی پیاری ماں سے لپٹ کر کہے۔ اپنے دکھوں پر آنکھوں میں آنسو نہ آئے تو میرے خیال سے اتنے سارے آنسو کیوں بہا رہی ہو ماں۔ میں آپ کی بیٹی ہوں آپ سے زندگی کے بوجھ پورے صبر سے اٹھانا سیکھ لوں گی۔ مگر وہ ماں کے کمرے میں جانے کی ہمت نہ کر سکی۔ ابّو ماں کو سمجھا رہے تھے۔

شیبا۔ چپ ہو جاؤ۔ کیا خدا پر سے تمہارا بھروسہ اُٹھ گیا ہے۔

نہیں نہیں ___ وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

پھر اتنی مایوس کیوں ہوتی ہو۔ انسان کا سوچا کچھ نہیں بنتا۔ ہوگا وہی جو

خدا کو منظور ہوگا۔ بیکار کی سوچ کیسی۔ میری طرح تمہیں بھی بستر کا نہ کردے۔
اپنے کو سنبھالو۔ دل کو یقین دلاؤ کہ اللہ بے انصاف نہیں ہے۔ ہماری زندگی دکھوں سے بھری پڑی ہے ہم نے ہمیشہ دکھ دینے والے کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پورے صبر سے دکھوں کو جھیلا ہے۔ میرے دل کو پورا یقین ہے کہ اب اللہ ہماری اکلوتی اولاد کو دکھی نہیں کرے گا۔ یقین رکھو شیبا۔ یقین رکھو اس پاک ذات پر وہ بڑا رحم والا ہے۔

میرا دل آج بے قابو ہوا جارہا ہے عادل۔ ضبط کی ساری زنجیریں ٹوٹی جارہی ہیں۔ میں ضبط کی پوری کوشش کررہی ہوں مگر......وہ پھر رو پڑی۔

آج تمہیں کیا ہوگیا ہے شیبا۔ کتنی ہمت والی تھیں تم۔ رونا بند کرو شیبا۔ سونے کی کوشش کرو۔ جسم اور دماغ دونوں تمہارے تھکے ہوئے ہیں سو جاؤ۔ سب کچھ صبح اُٹھ کر سوچیں گے۔ ٹھنڈے دل سے۔

اب سوچنے کو کیا رہ گیا ہے۔ شبانہ نے روتے ہوئے کہا۔

بہت کچھ باقی ہے۔ میں ابھی تک مایوس نہیں ہوں۔ میری امی ہمیشہ کہا کرتی تھیں طلب سچی ہو تو رائیگاں نہیں جائیگی مجھے ان کی اس بات کا پورا تجربہ ہے۔

واقعی۔ میں نے بھی آپا جی کے منہ سے یہ بات ہمیشہ سنی ہے۔ وہ کتنے یقین سے کہا کرتی تھیں۔

تمہیں بھی تجربہ ہو چکا ہے۔ میں اور تم دریا کے دو کناروں کی طرح تھے جو کبھی نہیں مل سکتے تھے۔ مگر ہم مل گئے۔ کیسے۔ طلب سچی تھی۔ اس لئے رائیگاں نہیں گئی۔

عادل۔ ایسی ہی باتوں سے دیر تک اسے سمجھاتے رہے۔ طرح طرح سے اُسے دلاسہ دیتے رہے اور وہ خاموش لیٹی چھت کو تکتی رہی۔ باتیں کرتے کرتے عادل سو گئے۔ وہ جاگتی رہی۔ اس کے دل و دماغ پر طوفانی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ماضی کے وہ تمام بے رحم یادیں جو تلخ واقعات سے بھری پڑی تھیں۔ جنہیں وہ اپنے ذہن سے محو کر چکی تھی مگر آج ماضی کے مدفن میں دبی ساری تلخیاں اور یادیں ایک ساتھ ابھر کر اُسکے دماغ سے ٹکرا کر شور برپا کئے ہوئے تھیں۔

وہ پیدا ہوتے ہی ماں کی پیار بھری آغوش سے محروم ہو چکی تھی۔ کاتب تقدیر کی یہ سب سے پہلے مہربانی تھی۔ دادی نے اُسے پالا۔ بڑا کیا۔ بچپن کی ناسمجھی کے چند سال اس کی زندگی میں سکون کے تھے۔ شعور کو پہنچتے ہی وہ اپنے باپ، سوتیلی ماں اور سوتیلی بہن انجم سب کے ناروا سلوک سمجھنے لگی۔ سوتیلی ماں اور انجم تو اس سے کھلم کھلا نفرت کا اظہار کرتی تھیں۔ باپ کا رویہ کچھ عجیب سا تھا۔ نہ پیار نہ نفرت۔

جب وہ بچی تھی تو انجم کے نئے نئے کھلونے دیکھ کر وہ بھی اس کے ساتھ کھیلنے کی تمنا کرتی مگر اُسے اس خواہش کی سزا ملتی تو وہ روتی ہوئی دادی کے پاس چلی جاتی اور دادی اُسے پرانے کھلونے دے کر بہلا لیتیں یا کبھی بازار سے نئے منگوا کر دیتیں مگر اس کا دل انجم کے ساتھ کھیلنے کو اندر ہی اندر بے چین رہتا۔ دو چار دن کے بعد وہ پھر کسی مقناطیسی کشش کی مانند ادھر کھچی جاتی اور مار کھا کر دادی کی گود میں پناہ لیتی۔

جب انجم سکول جانے لگی تو وہ بھی رونے لگی میں بھی جاؤں گی۔ دادی کی سفارش پر اُسے بھی اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ دو چار دن وہ بھی انجم کے

ساتھ کار میں اسکول گئی۔ مگر پھر انجم نے ضد پکڑ لی کہ وہ اس کالی لڑکی کو اپنے ساتھ کار میں اسکول نہیں لے جائے گی۔

دادی نے سمجھانے کی کوشش کی تو وہ رونے لگی اور بولی۔ ایسا ہے تو میں نہیں جاتی۔ یہی چلی جائے۔ میں اس کالی اور بھدی لڑکی کو اپنے ساتھ ہرگز نہیں لے جاؤں گی۔ حمایت کو اس کی ماں بھی آ گئی۔

دادی چپ ہو گئیں۔ وہ جانتی تھیں چلے گی انجم ہی کی۔ آنکھوں میں آنسو لئے کار سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اتار لیا اور اپنے کمرے میں لے آئی۔ اس دن وہ اسکول نہ جا سکی۔ حویلی کے پچھواڑے بہت سی خالی زمین پڑی ہوئی تھی۔ وہیں ابّا نے ایک چھوٹا سا مکان بنوا کر سلطانہ خالہ کو دے رکھا تھا۔ دادی کی سفارش پر ان سے کرایہ بھی نہیں لیا جاتا تھا۔ عادل سلطانہ کا لڑکا تھا۔ حویلی میں نوکروں کی کمی نہیں تھی۔ مگر دادی ان نوکروں سے شاذ و نادر ہی کوئی کام لیتیں۔ انہیں بازار سے جو بھی منگانا ہوتا عادل کو بلوا کر اسی سے منگوا لیا کرتی تھیں۔ اب عادل کو ہر روز اُسے اسکول لے جا کر چھوڑنے اور اُسے ساتھ لانے کی ڈیوٹی بھی سونپی گئی۔ وہ اس ڈیوٹی کو پا کر بہت خوش تھا۔ صبح اُس کے تیار ہونے سے پہلے ہی وہ خود تیار ہو کر اپنا بستہ لئے آ موجود ہوتا۔ اسکول حویلی سے زیادہ دور نہیں تھا۔ حویلی سے نکلتے ہی عادل اس کا ہاتھ پکڑ لیتا تو اسکول کے گیٹ پر پہنچا کر ہی چھوڑتا۔ کبھی وہ اس کی اس حرکت پر چڑھ کر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتی تو وہ کہتا میری ذمہ داری ہے۔ کہیں تم ادھر اُدھر ہو گئیں تو بڑی اماں مجھے زندہ نہ چھوڑے گی۔

چار سال ایسے ہی چلتا رہا۔ پھر وہ خود ہی اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے

فرمانے لگا۔ وہ آگے چلتی اور عادل پیچھے باتیں کرتے ہوئے دونوں اسکول پہنچ جاتے۔

حویلی میں انجم کی سالگرہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ وہ ہر سال دیکھتی انجم کی سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ خوبصورت جھلملاتے لباس میں سرخ وسفید رنگ والی انجم محفل میں آتی تو مہمانوں میں سے ہر ایک اُسے گود میں لے کر پیار کرتے اور اُسے تحائف دیتے۔ ہر سال اسی طرح تحفہ میں ملی ہوئی چیزوں کا اس کے پاس ڈھیر لگا ہوتا تھا۔ یہ سب دیکھ کر اس کے معصوم دل میں بھی یہ ارمان مچلنے لگا کہ ہر سال نہ سہی ایک سال تو اس کی بھی سالگرہ منائی جاتی شدت کی اس خواہش کو وہ بہت دنوں تک نہ دبا سکی۔ ایک دن ابا اور اس کی نئی ماں انجم کی سالگرہ پر بلائے جانے والے مہمانوں کی لسٹ تیار کر رہے تھے۔ وہ چپ چاپ جا کر اُن کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ بڑی دیر تک تو دونوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ پھر نئی ماں نے کڑی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا کیا ہے؟

وہ ان بے رحم نظروں کو دیکھ کر سہم گئی۔

بُت بنی کیا کھڑی ہے۔ بول نا۔

کچھ نہیں۔ دل کی بات زبان پر نہ لا سکی۔ وہ جانے کو مڑی۔

شیبا۔ کیا بات ہے۔ اب کی بار اس کے ابو نے پوچھا۔ لہجہ میں تھوڑی سی نرمی تھی جس نے اس کی ہمت بندھائی۔ وہ باپ کے پاس جا کر کھڑی ہوگئی۔

ابو۔ وہ کہتے کہتے رک گئی۔

کھونا ___ ابو نے کہا۔

میرا جی چاہتا ہے۔ ایک سال میری بھی ...... سالگرہ ...... منائی جائے۔ ابو۔ اُس کی خواہش سنتے ہی چپ ہو گئے۔

نئی ماں کے تیور بدل گئے۔ وہ غصہ بھرے لہجہ میں بولیں۔ تیری سالگرہ۔ ہوں۔ منحوس! تو کیا جانے تیری سالگرہ کے ساتھ تیری ماں کی برسی لگی ہوئی ہے۔ دیکھتی نہیں۔ ہر سال یہاں غریبوں محتاجوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ تیری ماں کی روح کو ثواب پہنچایا جائے یا تجھ جیسی منحوس کی پیدائش کی خوشی منائی جائے جس نے دنیا میں آتے ہی ماں کو عدم کی راہ دکھا دی۔

ہوں۔ بڑی آئی ارمان زدہ۔

عشرت۔ چھوڑو نا بچی ہے۔ وہ کیا جانے یہ سب باتیں۔ جاؤ بیٹی کھیلو۔ ابو نے کہا۔ تو وہ بھرا ہوا دل لے کر دادی کے پاس چلی گئی اور ان کی گود میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ کیا ہوا۔ میری بچی کیا ہوا بول نا۔ کس نے مارا۔

نہیں۔ وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

پھر۔

میں نے نئی امی اور ابو سے میری سالگرہ منانے کو کہا تو ...... اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

تو کیا کہا انہوں نے۔ دادی نے پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

میری پیدائش کے دن امی کی برسی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ پھر چپ ہو کر رونے لگی ___ رو نہیں بیٹی ___ وہ ٹھیک کہتے ہیں۔ تیری پیدائش کی خوشی کے ساتھ تیری ماں کا غم بھی تو ہے۔ کیسے اس دن خوشی منائی جائے گی۔ اسی

لئے تو میں چپ ہوں۔ ورنہ ان کی مجال تھی جو اکیلی انجم کی سالگرہ اتنی دھوم سے مناتے۔ بیٹے دیکھو میں وعدہ کرتی ہوں جب تم دسویں کا امتحان پاس کر لوگی نا تو میں اس خوشی میں بڑا جشن مناؤں گی۔

سچ دادی۔ اس نے خوش ہوکر آنسوؤں کا بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا۔

ہاں بیٹی ___

میرے لئے انجم جیسا چمکتا ہوا جوڑا اور زیورات منگاؤ گی نا۔

ہاں بیٹی ___ ضرور ___ انجم جیسا جوڑا پہننے کو جی چاہتا ہے۔ تو میں آج ہی منگا دوں۔ انجم کی سالگرہ کے دن تم بھی پہن لینا۔

نہیں دادی۔ وہ اُداس ہوکر بولی۔

کیوں بیٹے۔

انجم گوری ہے اس لئے چمکتے ہوئے رنگین لباس اُسے سجتے ہیں۔ میں پہنوں گی تو اچھا نہیں لگے گا۔ میرے لئے سادہ سفید لباس ہی ٹھیک ہے وہی سلا دینا دادی ___

اچھا بیٹے۔ ویسا ہی سلا دوں گی۔ دادی نے اُس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

دادی ___

کہو۔ اب کیا کہنا ہے۔

دادی یہاں تو سب گورے ہیں۔ نئی امی۔ ابو۔ آپ اور انجم عادل۔ بھی خاصہ گورا چٹا ہے۔ میرا رنگ کیسے اتنا کالا ہو گیا۔

میری بیٹی۔ تو کالی نہیں ہے۔ نکال دے، یہ خیال اپنے دل سے مجھے تو

انجم سے بھی تم اچھی لگتی ہو۔

کیوں بہلاتی ہو دادی۔ اسکول میں بھی سب لڑکیاں یہی کہتی ہیں۔ شیبا کتنی کالی ہے۔ انجم کی بہن ذرا نہیں لگتی۔

رنگ بیشک میری بیٹی کا گہرا سانولا ہے۔ مگر ناک نقشہ انجم سے اچھا ہے۔ پڑھنے لکھنے میں بھی میری شیبا انجم سے تیز ہے اور کیا چاہئے۔ جاؤ بیٹی۔ کھیلو۔ یا دیکھو عادل آگیا ہو تو اس کے ساتھ پارک چلی جاؤ۔

یہ لو عادل تو آگیا۔

بڑی اماں۔ آپ نے مجھے یاد فرمایا۔

ہاں بیٹے۔ میری شیبا آج بہت روئی ہے۔ اسے باہر کہیں لے جاکر گھماؤ۔ ذرا جی بہل جائیگا۔

جو حکم بڑی اماں۔

جیو بیٹے۔ دادی نے دعا دی۔

دونوں جانے لگے تو دادی نے بلا کر عادل کو روپیہ دیتے ہوئے کہا۔ تم دونوں آئس کریم کھا لینا۔

پارک پہنچ کر وہ ایک خالی بنچ پر بیٹھ گئی تو عادل نے کہا یہ کیا آتے ہی بیٹھ گئیں۔ ٹہلو گی نہیں تھوڑی دیر۔

نہیں بیٹھوں گی۔ تم بھی بیٹھو۔

مجھے اس طرح خالی بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔

کیوں ــــ؟

بیٹھے رہنے سے جسم آرام طلب ہو جاتا ہے۔ میں تو دن بھر کچھ نہ کچھ

کرتا رہتا ہوں کبھی خالی نہیں بیٹھتا۔

یہاں کچھ کرنا نہیں۔ آرام سے بیٹھ کر ہوا کھانے آتے ہیں لوگ۔ تم بدھو ہو دن بھر گدھے کی طرح بوجھ اٹھانے کی سوچتے ہو۔

کیا کروں قسمت ہی ایسی ہے۔ آرام طلب بن جاؤں گا۔ تو بیٹھ کر کھانے کیلیئے ابا نے کوئی جائداد نہیں چھوڑی ہے۔

تمہیں بھی قسمت سے گلہ ہے؟ ___ دس سال کی معصوم شیبا کے منہ سے یہ سوال سن کر عادل حیرت سے اُسکا منہ تکنے لگا۔

منہ کیا تکتے ہو جواب دو۔

اچھا پہلے یہ بتاؤ۔ تمہیں گلہ کس بات کا ہے۔ عادل نے پوچھا۔

مجھے ___ مجھے تو سو گلے ہیں۔ سب سے بڑا گلہ تو یہ ہے کہ میرے پیدا ہوتے ہی میری امّی کو قسمت نے مجھ سے کیوں چھین لیا۔ وہ ہوتیں تو مجھے بھی انجم کی طرح سب کچھ ملتا۔

کونسی چیز کی کمی ہے تمہارے پاس۔ دادی تمہیں کیا نہیں دیتیں۔

دیتی ہیں۔ مگر انجم کی طرح دادی کے سوا اور کوئی مجھے پیار نہیں کرتا۔ ابا نے مجھے ایک بار بھی پیار نہیں کیا۔ انجم ان کی گود میں بیٹھ جاتی ہے وہ اسے کتنا پیار کرتے ہیں۔ میرا بھی جی چاہتا ہے۔ ابا کی گود میں چڑھ کر بیٹھنے کو۔

پگلی ___ انجم تم سے چھوٹی ہے۔ تم اتنی بڑی ابا کی گود میں چڑھ کر بیٹھو گی۔ تو کیا اچھا لگے گا۔ عادل نے اُسے بہلاتے ہوئے کہا۔ مگر دل میں باپ کے ہوتے ہوئے ان کے پیار اور شفقت کیلیئے اتری ہوئی اس معصوم لڑکی کی حالت پر اسے بڑا رحم آرہا تھا۔ دکھی وہ بھی تھا۔ مگر پیار سے محروم نہیں تھا۔ ماں

اسے اتنا پیار کرتی تھی کہ اُس نے مرحوم باپ کی کمی کو کبھی محسوس نہ کیا۔

عادل۔ آپا جی تمہیں بہت چاہتی ہیں نا۔

ہاں شیبا۔ وہ میری ماں ہیں۔ کیسے نہ چاہیں گی۔

پھر وہ تمہاری سالگرہ کیوں نہیں مناتیں ہر سال۔

کیا چاہت کے اظہار کیلئے سالگرہ منانا ضروری ہے۔ اس معصومیت بھرے سوال کو سن کر مسکراتے ہوئے عادل نے پوچھا۔

ہاں۔ انجم کی امّی بہت چاہتی ہیں نا اُسے۔ اس لئے ہر سال برابر دھوم سے مناتی ہیں۔ تمہاری امّی تم سے اتنا پیار نہیں کرتی ہوں گی۔

نہیں شیبا۔ میری امی مجھے بہت چاہتی ہیں۔ یہ سالگرہ جو ہے۔ دولت والوں کی ایجاد ہے۔ ان کے نخرے ہیں۔ غریب جنہیں پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا یہ نخرے کہاں کرتے پھریں گے۔ میری درازی عمر کیلئے صحت وتندرستی کیلئے اور آئندہ زندگی کی خوشیوں کیلئے دعا کرتی ہیں اور اُسی دن جیسے بھی ہو تھوڑی سی میٹھی چیز بنا کر مجھے کھلاتی ہے۔ یہی ہوتی ہے میری سالگرہ ہر سال۔

عادل آپا جی سے کہو۔ ایسے ہی میرے لئے بھی کیا کریں میری پیدائش والے دن۔

وہ تمہارے لئے بھی بلا کہے کرتی ہیں شیبا۔ تم نہیں جانتیں۔ میری امّی تم سے بہت پیار کرتی ہیں۔ اتنا کہ وہ تمہیں اپنی بیٹی سمجھتی ہیں۔

آپا جی نے مجھے کبھی پیار نہیں کیا۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ وہ اداس ہو کر بولی۔

ہم بہت غریب ہیں شیبا۔ دل میں چاہے پیار بھرا ہو مگر اُس کا اظہار

لرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

کیوں۔ کس لئے۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔

تم بہت بڑے آدمی کی بیٹی ہو۔ بہت بڑی دولت والے ہیں تمہارے ابا۔

تو کیا ہوا۔ اس نے اور بھی حیرت سے پوچھا۔

لوگ کہیں گے پیار جتا کر بڑے لوگوں کی خوشامد کر رہے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں تو کہنے دو۔ اپنا کیا جاتا ہے۔ میں تو اب ہر روز آیا کروں گی تمہارے گھر۔ نہیں شیبا، میرے گھر نہ آنا میں جو آجاتا ہوں ہر روز تمہارے پاس۔

تمہارے گھر کیوں نہ آؤں۔ سمجھی۔ تم مجھے بہلاتے ہو۔ ضرور تمہاری امی بھی سب کی طرح مجھ سے نفرت کرتی ہیں۔ میں کالی ہوں، بھدی ہوں، منحوس ہوں کوئی بھی مجھ سے پیار نہیں کرے گا۔ تم بھی نہیں کرتے۔ سب جھوٹ کہتے ہو۔ تم جھوٹے ہو۔ اس کا دکھی دل بھر آیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔

عادل گھبرا گیا اور اس کی منّت سماجت کرنے لگا۔

شیبا چپ ہو جاؤ۔ میری اچھی شیبا چپ ہو جاؤ نا۔ دیکھو کتنے لوگ آ جا رہے ہیں۔ کسی پہچان والے نے جا کر دادی سے کہہ دیا تو آج میری خیر نہیں۔ انہوں نے اس خیال سے بھیجا تھا کہ تمہارا جی بہل جائے گا۔ الٹا تم اور زیادہ دکھی ہو رہی ہو۔

میری قسمت میں دکھ کے سوا اور کچھ نہیں۔ میرا جی کبھی نہیں بہلے گا۔

کبھی نہیں۔ وہ سسکیوں کے درمیان رک رک کر بولی۔
دیکھو شیبا۔ تم رونا بند نہیں کرو گی۔ تو پھر میں کبھی تمہارے ساتھ نہیں آؤں گا۔
نہیں۔ نہیں عادل ایسا نہ کرنا۔ ایک تم ہی تو ہو۔ مجھے گھمانے لے جاتے ہو۔ تم نہیں آؤ گے۔ تو پھر میں کہیں گھومنے بھی نہ جا سکوں گی۔
تو پھر رونا بند کرو۔ چلو اٹھو، ہم آئس کریم لے آئیں، عادل نے مسکرا کر کہا۔ میں یہیں بیٹھی ہوں۔ تم جا کر لے آؤ۔
نہیں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ چلو اٹھو۔
مگر وہ بیٹھی رہی۔
دیکھو۔ میری بات نہیں مانو گی تو پھر...... وہ کہتے کہتے رک گیا اور مسکرا دیا۔
نہیں۔ نہیں۔ میں چلتی ہوں۔ وہ سہم کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی عادل تم مجھ سے ناراض نہ ہو جانا۔
نہیں پگلی تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ سچ کہتے ہو۔ اس نے خوش ہو کر پوچھا۔ میں اچھی لگتی ہوں۔ تمہیں۔
ہاں۔ بہت۔ عادل نے ہنس کر کہا۔
تم بھی مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔ عادل۔
یہ بات کسی اور سے نہ کہنا۔ بیوقوف، عادل نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔ کیوں نہ کہوں۔ میں نہیں ڈرتی کسی سے۔
ڈرتی تو نہیں کسی سے بڑی بہادر ہو میں جانتا ہوں مگر کسی سے کہنا

نہیں۔

تم کہتے ہو اس لئے نہیں کہوں گی کسی سے۔ بس۔ عادل وہ دیکھو آئس کریم والا جا رہا ہے۔ میں یہیں کھڑی ہوں تم بھاگ کر لے آؤ۔ میرے لئے دو کپ لینا۔

تم ادھر اُدھر نہ ہو جانا۔ یہیں کھڑی رہنا۔

اس نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

پانچ منٹ کے اندر عادل تین کپ آئس کریم اور تھوڑے سے چاکلیٹ لیکر آ گیا۔ دونوں ایک صرف گھاس پر بیٹھ گئے اور آئس کریم کھانے لگے۔ دادی نے آئس کریم کھانے کو پیسے دیئے تم چاکلیٹ بھی لے آئے۔

ہاں۔ امی نے پچاس پیسے دیئے تھے۔ تمہیں چاکلیٹ بہت پسند ہے نا اس لئے لے آیا۔ لو تم بھی کھاؤ۔

عادل نے ایک اٹھالیا اور کہا۔ باقی تم کھالو۔

شام کے اندھیرے پھیلنے لگے تو دونوں پارک سے باہر نکلے۔ شیبا کو حویلی کے پھاٹک پر چھوڑ کر عادل گھر چلا گیا۔

ڈرائنگ روم میں انجم کی سہیلیوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ وہ چپکے سے دادی کے کمرے میں چلی گئی۔

آ گئی میری شیبا بیٹی۔

وہ دادی کے پاس گئی اور ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

انجم کی سہیلیاں آئی ہیں۔ تم بھی کھیلو نہ ان کے ساتھ جا کر۔ دادی نے اُسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

وہ مجھے اپنے ساتھ کھیلنے نہیں دیں گی۔ اسکول میں بھی وہ صرف انجم کے ساتھ کھیلتی ہیں۔

تمہاری بھی کوئی سہیلی ہوگی۔ اسکول میں۔

میری صرف ایک سہیلی ہے۔ فوزیہ۔ وہی مجھے اچھی لگتی ہے۔

تو اسے لے آؤ۔

نہیں دادی۔ میں اس کے ساتھ اسکول میں کھیل لیتی ہوں۔ یہاں نہیں لاؤں گی۔

کیوں ___؟

انجم چپ نہیں رہے گی۔ میری طرح اُسے بھی کچھ کہہ دے گی تو اچھا نہیں لگے گا۔ گھر بلا کر کسی کو ذلیل کرنے سے کیا فائدہ۔ میں تو یہاں سب کچھ سہ جاتی ہوں۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے آواز بھرا گئی۔

دادی کی آنکھوں میں بھی دکھ اور رحم کی آمیزش صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ کچھ بولیں نہیں۔ شاید دس سال کی اس معصوم بچی کی سمجھداری پر حیرت میں پڑ گئی تھیں۔

شام کا وقت تھا۔ حویلی کے چمن میں وہ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھی افق پر پھیلتی اداسیوں کو تک رہی تھی۔ اس کے دل کی طرح کائنات بھی اداس تھی۔

یہاں کیوں بیٹھی ہو۔ انجم نے جو باہر کہیں جانے کے لئے پورے ٹیپ ٹاپ سے تیار ہو کر آئی تھیں۔ پوچھا۔

کیوں ___ یہاں بیٹھنا بھی منع ہے کیا۔ اس نے افسردگی سے پوچھا۔
جنگلیوں کی طرح یوں زمین پر بیٹھی ہو۔ چمن میں یہ کرسیاں کس لئے
رکھی ہیں۔
میں جنگلی ہوں۔ مجھے یوں بیٹھنا اچھا لگتا ہے۔ تمہارا کیا جاتا ہے۔
اس نے چڑ کر پوچھا۔
میں نے تو ایسے ہی پوچھا شیبا باجی۔ تم تو کان کھاتی ہو۔
انجم چلو دیر ہو رہی ہے۔ ماں نے آواز دی۔ میں تو تیار ہوں ممی۔
ابو اور نئی ماں تیار ہو کر باہر آئے۔ ڈرائیور نے گاڑی لا کر پورچ میں
کھڑی کر دی۔
ابو کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ سر جھکائے افسردگی کی تصویر بنی کھڑی
بیٹی کی طرف ایک سرسری نظر ڈال کر انہوں نے پوچھا شیبا چلتی ہو تم۔
اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ پھر لے جانے کا
ارادہ ہوتا تو پہلے ہی سے کہہ دیتے۔ تو وہ تیار ہو جاتی۔ اب تو ایسے ہی پوچھ
رہے ہیں سامنے دیکھ کر لے جانے کا ارادہ تو نہیں ہے۔ یہ سب سوچ کر اس کا
اداس دل اور بھی اداس ہو گیا۔
چلو گی شیبا بی بی۔ سنیما دیکھنے جا رہے ہیں۔ ڈرائیور نے قریب
آ کر پوچھا۔ تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا اور بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی۔ دادی نماز
پڑھ رہی تھیں۔ وہ اپنے بستر پر اوندھی ہو کر لیٹ گئی۔
دن بیتتے گئے اس کی اداسیاں بڑھتی گئیں۔ وہ سب سے الگ تھلگ
دن رات اپنی پڑھائی میں گم رہنے لگی۔ انجم کے متعلق اس نے سوچنا ہی چھوڑ

دیا وہ قدرتی ذہین تھی پھر دن رات صرف پڑھائی پر دھیان دیتے رہنے کی وجہ سے وہ ہر سال کلاس میں فرسٹ آتی رہی۔ گھر میں اُس کی کامیابی پر مبارکباد کہنے والی اور پیار کرنے والی دادی تھیں انجم بھی کسی سال فیل نہیں ہوئی۔ ٹیوشن کی وجہ سے بمشکل پاس ہو جاتی تھی۔ گھر میں اس کے پاس ہونے کی بڑی خوشی منائی جاتی۔ ابّا کے جاننے والے دوست احباب نئی ماں کے رشتہ دار اسے تحائف پیش کرتے۔ انجم کی سہیلیوں کو چائے کی پارٹی دی جاتی۔

کئی بار دادی اس بے انصافی پر غضبناک ہو کر بیٹے اور بہو سے لڑنے کو تیار ہو گئی تھیں۔ مگر وہ انہیں سمجھا کر ٹھنڈا کر دیتی۔ اب وہ سمجھدار تھی۔ شعور کو پہنچ چکی تھی۔

پھر وہ اس بے توجہی کی عادی بھی بن چکی تھی۔ کسی بات کا زیادہ اثر نہ لیتی تھی۔

پیار بھی کہیں زبردستی حاصل کیا جاتا ہے۔ باپ کے ہوتے ہوئے وہ ان کی محبت وشفقت سے محروم تھی۔ اس کا ننھا سا دل بچپن سے اس بات کیلئے ترسا ہے کہ اس کے ابو ایک بار اسے پیار کی نظر سے دیکھ لیں لیکن اسے ہمیشہ مایوسی ہی ملی۔ اب تو وہ اس خواہش کو ہمیشہ کیلئے اپنے دل میں بسا چکی تھی۔ پھر وہ دادی کو بیٹے پر زور ڈال کر اُسے اس کا حق دلوانے کی کوشش کرنے کیوں دیتی۔ وہ تو حالات سے سمجھوتہ کر چکی تھی۔

اس کی خوشیوں کے گلے اس گھر میں ہمیشہ گھونٹے گئے ٹھیک ہے۔ قسمت کا لکھا سمجھ کر مطمئن تھی۔ دل کو ہر طرح سمجھانے کے باوجود بھی باپ کی بے رخی اور بیگانگی اس کے دل پر اثر کیے بغیر نہ رہتی۔ دل دکھنے لگتا تو کہیں

اکیلے میں خوب جی کھول کر رو لیتی۔ تو دل ہلکا پھلکا ہو جاتا۔ کئی کئی دنوں سے بعد کبھی رسمی طور پر ابو اس کا حال پوچھ لیتے۔ ویسے تینوں وقت کھانے کی میز پر سب ساتھ بیٹھتے۔ خاموشی سے کھانا کھایا جاتا اور پھر سب اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے۔

اسکول میں اسے فوزیہ جیسی مخلص سہیلی مل گئی تھی۔ دل پر بوجھ بڑھ جاتا تو وہ اپنی اس سہیلی سے اپنا دکھ درد بیان کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی تھی۔ مگر قسمت کی خوبی دیکھئے وہ ساتھ بھی چھوٹ گیا۔ فوزیہ کے باپ کا تبادلہ ہو گیا تو وہ چلی گئی۔ اب رہ گیا اس کا بچپن کا ساتھی اور دوست عادل جو اس کی پیار و محبت کی پیاسی روح کو برابر سیراب کرتا رہتا تھا۔ اس سے تو کوئی بات پوشیدہ نہ تھی۔ وہ سب کچھ جانتا تھا۔ اس کی زندگی کی تلخیوں کا حال اسے معلوم تھا وہ اس کے زخموں پر بیچ بیچ میں ٹھنڈک اور سکون کے پھاہے نہ رکھتا تو شاید وہ گھٹ گھٹ کر اندر ہی اندر بے شمار زخموں کا درد لئے کبھی کی ختم ہو جاتی۔ عادل کی ہمدردیاں اور پیار پا کر ہی وہ اپنی زندگی کی ویرانیوں میں کمی محسوس کرنے لگی تھی۔ عادل اس کا کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ تھا۔

عادل کی ماں سلطانہ جسے سب آپا جی کہتے تھے اس سے بہت پیار کرتی تھیں۔ وہ اسکول سے عادل کے ساتھ سیدھی ان کے ہاں چلی جاتی جہاں آپا جی دروازے پر پیارے بیٹے کے ساتھ اس کا بھی استقبال کرتیں وہ دیر تک وہیں بیٹھی رہتی۔ کتنی خوش اور مطمئن ہوتیں وہ اس چھوٹے سے گھر میں۔

پھر شام ہوتے ہی دادی اُسے لینے نوکر کو بھیج دیتی تو اسے حویلی جانا پڑتا۔

میٹرک کا امتحان پاس کر کے عادل نے پڑھائی چھوڑ دی اور کسی کارخانے میں نوکر ہوگیا اب وہ اکیلی ہی اسکول جانے لگی۔ دادی نے انجم کے ساتھ کار میں جانے کو کہا تو وہ نہ مانی۔ ابو اور نئی ماں نے بھی کہا کہ اکیلی انجم کار میں جا رہی ہے تم بھی چلی جاؤ۔

نہیں اسکول نزدیک ہی تو ہے۔ میں پیدل ہی جاؤں گی۔ وہ فیصلہ کن لہجہ میں بولی۔ تو سب چپ ہو گئے۔

وہ اب ان رسمی باتوں کو خوب سمجھنے لگی تھی بچپن کی لگی چوٹ وہ بھول نہیں سکی تھی۔ انجم کی ضد پر نوکروں کے سامنے اسے کار سے اتارا گیا تھا۔ گاڑی وہی تھی جس میں چڑھ کر اُسے اترنا پڑا تھا۔ پھر آج تک وہ اس میں سوار نہیں ہوئی اب وہ اتنی باشعور ہو چکی تھی کہ تلخیوں کو جانچنا آ گیا تھا۔

دن، ہفتے، مہینے، سال بیتتے گئے۔ وقت کا چکر اپنی رفتار سے چلتا رہا۔

اس نے اور انجم نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ فرسٹ ڈویژن حاصل کیا تھا اس نے۔ انجم بمشکل پاس ہوئی تھی۔ نمبر بہت کم تھے۔

دادی بہت خوش تھیں۔ انہوں نے اُسے سینے سے لپٹا کر خوب پیار کیا توقع کے خلاف اس بار ابّو اور امّی نے بھی اس کی پیشانی پر ہونٹ رکھے اور مبارکباد کہی۔ ہونٹوں کی سردی کو وہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔ اس کے دل کو ذرا بھی خوشی نہیں ملی۔ دکھاوے کے پیار میں وہ گرمی کہاں جو اس نے دادی کے پیار میں محسوس کی تھی۔

دادی کو اپنا وعدہ یاد تھا وہ اس کی کامیابی کی خوشی میں جشن کی تیاریوں کے متعلق سوچنے لگیں۔ مگر اس کا اپنا دل بجھ چکا تھا وہ نہیں چاہتی کہ اس کے

لئے کوئی جشن منایا جائے لیکن اب کی بار دادی اس کی ماننے کو تیار نہ تھیں اس لئے ڈانٹ کر بولیں۔ تم چپ رہو۔

مگر وہ چپ نہ رہ سکی۔ بولی، جب ابو یہ سب نہیں چاہتے تو آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔

میرے ہوتے ہوئے اب یہ بے انصافیاں نہیں چلیں گی۔ میں چپ رہ کر دیکھ رہی تھی کہ کبھی تو شوکت کو خیال آتا ہے کہ نہیں۔ مگر وہ پوری طرح بیوی کے بس میں ہو چکا ہے اب اور چپ رہنے سے کام نہیں چلے گا۔

خدا کیلئے دادی میری وجہ سے گھر میں کوئی جھگڑا نہ پھیلائیے۔ میں وقت اور حالات سے سمجھوتہ کر چکی ہوں۔ میرے دل میں اب کسی بات کی کوئی خواہش نہیں۔ میرے لئے ابو اور امی سے نہ الجھئے آپ کو میری قسم۔ اس نے جھک کر دادی کے پیر پکڑ لئے۔

نہیں نہیں۔ یہ سب کیا کرتی ہے لڑکی۔ دادی نے جھڑک کر پیر چھڑا لیا اور اسے سینے سے بھینچ کر گلوگیر سی آواز میں بولیں۔ میری بچی تو کتنی نیک دل ہے تیری مرضی نہیں ہے۔ نہ سہی۔ میں کچھ نہیں کہتی ان کی آنکھوں کے گوشے نم آلود تھے۔

دادی۔ وہ مطمئن ہو کر بولی میں ذرا آپا جی سے مل آؤں، میری کامیابی کیلئے وہ دن رات دعائیں مانگا کرتی تھیں۔

جاؤ۔ بیٹی مل آؤ۔ تیری کامیابی پر دل سے خوش ہونے والی ایک وہ بھی تو ہے۔

وہ جب عادل کے ہاں پہنچی تو ماں بیٹا دونوں اس کیلئے چشم براہ تھے۔

میری بیٹی آ گئی۔ آپا جی نے اُسے دیکھتے ہی خوش ہو کر کہا اور اسے اپنے سینے سے بھینچ کر پیار کرتے ہوئے مبارکباد کہی۔

عادل چپ کھڑا اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

عادل کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ جاؤ حلوہ لے آؤ۔ میری بچی کتنی کامیابی سے پاس ہوئی ہے۔ منہ تو میٹھا کراؤں۔

عادل اندر سے گاجر کے حلوے کی پلیٹ لے آیا۔ آپا جی نے تھوڑا سا حلوہ لیکر پہلے اسے کھلایا پھر بیٹے کو کھلانے کے بعد تھوڑا سا اپنے منہ میں رکھ لیا۔

امی۔ بس اب آپ جا کر لیٹ جایئے۔ عادل نے کہا۔

کیوں۔ کیا ہوا شیبا نے پوچھا۔

رات سے امی کی طبیعت خراب ہے دمہ کا دورہ پڑا تھا۔ صبح تمہارے پاس ہونے کی خبر سن کر اٹھیں اور حلوہ بنانے میں لگ گئیں۔ حلوہ تیار ہوا، تو وہ یہاں بیٹھ کر تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔

آپا جی اس کو اتنا پیار کرتی ہیں۔ یہ سن کر اس کے عضو عضو سے خوشی پھوٹ پڑنے لگی اپنے نہیں چاہتے تو کیا ہوا۔ غیر ہو کر آپا جی۔ کے دل میں اس کیلئے اتنا پیار بھرا ہوا ہے کتنی اچھی ہیں آپا جی۔ کسی غیر کو اتنا چاہنے کیلئے بڑا دل چاہیئے۔ کتنی وسیع القلب ہیں۔ یہ سب سوچ کر اس کی نگاہیں آپا جی کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے لگیں۔

بیٹی کیا سوچ رہی ہو۔ اسے اس طرح سوچ میں ڈوبی دیکھ کر آپا جی نے پوچھا۔

آپ ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی وہ مسکرا کر بولی۔

میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھیں۔ آپا جی نے حیرت سے پوچھا۔

یہی کہ کتنی اچھی ہیں آپ۔ میرا تو خیال تھا کہ دادی کے سوا اس دنیا میں اور کوئی مجھ سے سچا پیار نہیں کرتا۔ مگر آج آپ کا پیار دیکھ کر مجھے ایسا لگا جیسے میری امی اس دنیا میں موجود ہیں۔ آپ مجھے بالکل اپنی حقیقی امی لگ رہی ہیں۔

میری بچی تو میری اپنی ہے۔ میں تیری ماں ہوں میرا جی چاہتا ہے تجھے ہمیشہ کے لئے اس چھوٹے سے گھر میں لے آؤں......وہ کہتے کہتے رک گئیں اور محبت پاش نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

مگر کیا۔ اس نے اور عادل نے ایک ساتھ پوچھا۔

کچھ نہیں۔ وہ اپنی ہی بات سے گھبرا کر جلدی سے بولیں۔ تم دونوں جا کر کہیں گھوم آؤ۔ میں ذرا لیٹتی ہوں۔

ذرا دھوپ اور ٹھنڈی ہو جائے۔ ایسے میں کہاں جائیں گے گھومنے۔ آپ لیٹ جایئے امی۔ ہم یہی بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ عادل نے کہا۔

آپا جی جا کر لیٹ گئیں۔

وہ اور عادل کرسی لے کر صحن میں درخت کے سائے میں بیٹھ گئے تو عادل نے کہا۔ میرا ایک حقیر سا تحفہ ہے۔ قبول کرو گی۔

کیوں نہیں۔ دکھاؤ۔ وہ خوش ہو کر بولی۔

عادل نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سونے کی ایک ہلکی سے زنجیر نکالی۔ جس میں دل کی شکل کا ننھا سا لاکٹ بھی تھا۔ یہ تمہارے لئے ہے۔ جب سے کام ملا ہے تمہیں کوئی تحفہ دینے کے لئے روپے جمع کرتا رہا۔ خدا کا شکر ہے۔

جو آج خرید سکا۔ مگر تمہیں اتنا کم قیمتی تحفہ دیتے ہوئے میرا دل کٹنے لگتا ہے۔ غربت کا کبھی گلہ نہ تھا۔ مگر دل کو اس کا شدید احساس ہے۔ عادل ایسی باتیں نہ کرو۔ اس قیمتی تحفہ کو کم قیمت نہ کہو۔ مجھے یہ بہت پسند ہے۔ میں اسے ہمیشہ پہنے رہوں گی۔ اس نے عقیدت سے ہاتھ بڑھا کر تحفہ لے لیا۔

سچ کہتی ہو یا میرا دل رکھنے کے لئے۔ عادل نے یقین نہ کرتے ہوئے پوچھا۔

یقین کرو عادل تمہارا یہ تحفہ مجھے اپنی زندگی کی طرح پیارا ہے۔

عادل کا خوبصورت چہرہ خوشی سے پھول کی طرح کھل اٹھا۔ اس نے شیبا کا ہاتھ پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو اس نے اپنا ہاتھ عادل کے ہاتھ میں دے دیا۔ عادل نے اس کا ہاتھ پہلے دونوں آنکھوں سے لگایا۔ پھر اس پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ چند لمحے یونہی بیت گئے۔ تو اس نے شرما کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اور بولی۔ اب میں چلتی ہوں۔

اسے اتنی جلدی۔ کہیں گھومنے نہیں چلو گی۔

آج نہیں۔ دادی نے جلدی آنے کو کہا ہے۔

اچھا تو چلو میں چھوڑ آؤں۔

نہیں ____ میں چلی جاؤں گی۔ آپا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم ان کے پاس بیٹھو۔ کل آؤ گی نا۔

اس نے سر کے اشارے سے ہاں کہی۔ اور وہاں سے چلی آئی۔ اس کی زندگی میں وہ دن بڑی خوشی کا تھا۔ وہ اس دن جھوم جھوم گئی تھی۔

دادی عشاء کی نماز پڑھ کر سونے کے لئے خوابگاہ میں آئی۔ تو وہ جاگ

رہی تھی ـــــ ارے آج تم جاگ رہی ہو ابھی تک نیند نہیں آئی۔

نہیں دادی آج نیند نہیں آئی۔

آج کیا ہے۔ روز تو نو بجے سے پہلے اونگھنے لگ جاتی تھیں۔

آج میں بہت خوش ہوں اس لئے نیند نہیں آئی۔

پاس ہونے کی خوشی ہے کیا؟

اس کے ساتھ ایک اور خوشی بھی ہے۔

وہ کیا ـــــ ؟

یہ دیکھئے۔ عادل کا تحفہ اس نے دادی کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ اور بولی۔

یہ عادل نے دیا ہے۔

دادی کئی لمحوں تک سوچ میں ڈوبی رہ گئی۔ لاکٹ پر ان کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔

دادی کیا سوچ رہی ہیں آپ۔ کیا مجھے عادل کا یہ تحفہ نہیں لینا چاہئے تھا۔

دادی اب بھی خاموش تھیں۔

بولئے نا۔ زندگی میں آپ کے سوا اور کسی نے مجھے کبھی کچھ نہیں دیا۔ آج پہلی بار کسی سے یہ تحفہ پا کر میں خوشی سے جھوم گئی دادی۔ خدا کے لئے اسے واپس کرنے کو نہ کہئے گا۔ یہ تحفہ مجھے بہت عزیز ہے۔

نہیں بیٹے۔ کسی کا محبت سے دیا ہوا تحفہ بھی کہیں واپس کیا جاتا ہے۔

میں تو کچھ اور سوچ رہی تھی۔

کیا ـــــ ؟

یہ مجھ سے کہنے کی باتیں نہیں ہیں۔ دادی نے مسکرا کر کہا۔
پھر کس سے کہیں گی۔ تیرے ابو سے۔
نہیں دادی۔ عادل کی کوئی بات ابو سے نہ کہیں آپ۔ وہ عادل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اسی لئے عادل اب یہاں زیادہ نہیں آتا۔
کیا شوکت نے عادل کو کچھ کہا۔ دادی نے بگڑ کر پوچھا۔ نہیں مگر وہ ان کی آنکھوں میں بسی حقارت کو سمجھ گیا ہے۔
میری زندگی میں شوکت کی یہ مجال نہیں جو عادل کو یہاں آنے سے منع کرے۔ دور کے رشتہ سے عادل میرا بھانجہ ہے۔
سچ دادی۔ میں تو سمجھی تھی وہ کوئی غیر ہے۔
سلطانہ بڑی غیور ہے۔ وہ امیروں سے رشتہ ہوتے ہوئے بھی اسے بنا کر قریب ہونے کی کبھی کوشش نہیں کرتی۔ بیوہ ہونے کے بعد اس نے خود کما کر کھایا ہے۔
آپا جی بہت اچھی ہیں۔ مجھے وہ بہت پسند ہیں۔ اور آپا جی کا بیٹا۔ دادی نے زیر لب مسکرا کر پوچھا۔ تو وہ شرما گئی اور تکیہ میں منہ چھپا لیا۔
بتاؤ نا ____
ہوں۔ دادی مجھے نیند آئی ہے۔ اب سوؤں گی۔ اتنی دیر نیند غائب تھی۔ اب آ گئی۔ اچھا سو جاؤ۔ میں سمجھ گئی ہوں۔ دادی نے پیار بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔
کیا سمجھ ... آپ ... ... نے گھبرا کر پوچھا۔

بیٹے۔ میں سمجھ گئی ہوں تو عادل کو پسند کرتی ہے۔ یہ بات میں نے بہت پہلے سوچی تھی۔ مگر اس ڈر سے خاموش تھی کہ کہیں تم یہ نہ سمجھ لو بن ماں کے ہوں اس لئے مجھے غریب پھکڑ کے پلے باندھ دیا۔ ماں ہوتی تو ایسا نہ ہونے دیتی۔ یہ خیال کبھی بھی تیرے دل میں آ سکتا ہے۔ دادی لاکھ جان چھڑکے پھر بھی وہ ماں نہیں ہے۔

ایسا نہ کہیے۔ وہ تڑپ کر بولی۔ میرے لئے آپ ماں سے بڑھ کر ہیں۔ آپ نے مجھے اتنا پیار دیا۔ جو ماں بھی نہ دے سکتی تھی۔ آپ ہی نے تو مجھے ماں کی طرح گود میں کھلا کر اتنا بڑا کیا ہے۔ آپ کی ہر بات پر میں اعتقاد رکھتی ہوں۔ وہ آنکھوں میں عقیدت اور محبتیں بھر کر آگے کو جھکی۔ اور دادی کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا۔

میری بچی۔ دادی نے وفور جذبات سے اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا اور کہا خدا تمہیں سدا خوش رکھے۔ دل میں صرف ایک ہی ارمان ہے کہ تیرا سکھی سنسار دیکھ کر میں اس دنیا سے جاؤں۔

دادی۔ وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔ جانے کی بات نہ کرو۔

پگلی۔ جانے کی بات کرو یا نہ کرو۔ وقت آنے پر تو جانا ہی پڑے گا۔ اس لئے سوچتی ہوں تیرا ہاتھ عادل کو سونپ دوں۔ بچپن سے تیری پیار کی پیاسی روح کو پیار و محبت دے کر وہی محبت سیراب کرتا آیا ہے۔ آئندہ زندگی میں بھی وہ تجھے عیش و آرام کی زندگی نہ سہی پیار دینے میں کمی نہ کرے گا۔ تم کافی سمجھدار ہو۔ میں تمہاری مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔ ویسے میرا خیال ہے تم اور عادل ایک دوسرے کے بہترین ساتھی بن سکتے ہو۔ کہو کیا خیال ہے۔

مجھ سے اب کچھ نہ پوچھیے دادی۔آپ کے فیصلے اور خواہش کا میں پورا پورا احترام کروں گی۔میں اچھی طرح جانتی ہوں۔آپ میرے لئے کبھی برا نہ سوچیں گی۔

دادی تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد سو گئیں۔مگر وہ بڑی دیر تک جاگتی رہی۔

12

صبح ناشتہ کی میز پر ابو نے پوچھا۔شیبا تم کالج میں داخلہ لے رہی ہو نا۔

نہیں ابو۔

نہیں۔دادی اور ابو نے ایک ساتھ حیران ہو کر پوچھا۔کیوں؟

بس اب آگے پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔یہاں قریب ہی سلائی کی ٹریننگ دینے والے اسکول میں داخلہ لے لوں گی۔

تمہاری مرضی۔میں تو چاہتا تھا کہ آگے پڑھو۔کافی ذہین ہو۔ابو نے کہا۔

شیبا ٹھیک کہتی ہے۔دادی نے کہا۔آگے پڑھ کر کیا کرے گی۔لڑکی سینے پرونے کا ہنر سیکھ لے گی۔تو زندگی میں کام آئے گا۔

اعلیٰ ڈگری بھی زندگی میں کام آتی ہے ماں جی۔ابو نے مسکرا کر کہا۔

ڈگری پھگری سے یہی اچھا ہے کہ گھر کا کام کاج سلائی بنائی وغیرہ سیکھ لے۔

گھر کے کام کاج کی ڈگریاں تو دونوں لڑکیاں آپ سے لے سکتی ہیں۔ جہیز بنانی آتی ہے آپ کو۔ابو نے کہا۔

[illegible]

لڑکیوں کو اپنی پڑھائی سے فرصت نہیں ملتی۔تو پکانا کیسے سیکھتیں۔اچھا ہے۔جواب انجم اور شیبا گھر کا کام کاج سیکھ لیں۔

نہیں۔انجم تو کالج میں داخلہ لینے کا فیصلہ کر چکی ہے۔گھر کے کام کاج کے لئے نوکر کافی ہیں۔امی جواب تک بیزار سی بیٹھی تھیں۔ناراضگی کے لہجہ میں بولیں۔اللہ کا دیا بہت سا ہے تو نوکر بھی ہیں۔خدا برا وقت کبھی نہ لائے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیوں کو یہ ہنر سکھا دینا چاہئے۔کون جانے کون سے وقت ان کو ضرورت پڑ جائے۔

ماں جی ٹھیک کہتی ہیں۔ابو نے کہا۔انجم تم فرصت کے اوقات دادی ماں سے پکانا بھی سیکھ لو۔

کوشش کروں گی ڈیڈی۔انجم نے بے دلی سے کہا۔

امّی ناشتہ کی میز پر سے اٹھ کر چلی گئیں۔ان کے پیچھے انجم بھی اٹھی۔

ماں بیٹی کے جانے کے بعد دادی نے ابو سے کہا۔شوکت۔فریدہ کی اراضی جو گاؤں میں ہے اس کی آمدنی برابر ملتی ہے۔

ہاں تھوڑی بہت مل جاتی ہے وہ میں شیبا کے نام بینک میں جمع کرتا ہوں۔

میں کب سے کہتی ہوں وہ زمین بیچ دو۔آمدنی آدھی سے زیادہ نوکر لے جاتے ہیں۔

کوشش میں ہوں۔چالیس ہزار سے زیادہ کوئی قیمت دینے کو تیار نہیں۔

بس ٹھیک ہے اب اس سے زیادہ کون دے۔تم بیچ دو اُسے۔

آپ کہتی ہیں تو دے دوں گا۔ ابو نے جواب دیا۔ اور اٹھ کر ہاتھ دھونے کے لئے چلے گئے۔

گھر کی دیکھ بھال دادی کے ذمہ تھی۔ امی کو گھر سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ گھر کے کسی کام میں وہ دخل نہ دیتی تھیں۔ دادی گھر کا ہر کام اپنی نگرانی میں نوکروں سے کرواتیں۔ کبھی کبھی ابو کے پسند کی دو ایک چیزیں خود بھی بنا لیتیں۔ اس دن ابو خوب ڈٹ کر کھاتے۔

پڑھائی بند کرنے کے بعد وہ ہر کام میں دادی کا ہاتھ بٹانے لگی۔ اسے کام سیکھنے کا شوق تھا۔ سال بھر کے اندر ہی وہ ہر چیز پکانے میں ماہر ہو گئی۔ نوکروں کے کرنے کا کام بھی وہ ان کو بٹھا کر خود کرتی۔ دادی نے اسے کبھی کام کرنے سے منع نہیں کیا نوکر بھی اس سے بہت خوش تھے۔ اس کی وجہ سے ان کے کام کا بار کافی ہلکا پڑ گیا تھا ہوتے ہوتے دادی نے ساری ذمہ داریاں اس پر ڈال کر خود مصلے سنبھال لیا۔ جیسے برسوں کی تھکن اتارنے کی سوچ لی ہو۔

عادل سے اب بہت کم ملاقات ہوتی تھی۔ وہ اپنے کام کے سلسلے میں بہت مصروف رہنے لگا تھا۔ کارخانہ کی ملازمت چھوڑ کر اب وہ ایک کامیاب ایجنٹ بن گیا تھا۔ پانچ سات سو روپیہ ہر مہینہ کما لیتا تھا۔ گھر کے کام اور ماں کی خدمت کے لئے اب اس کے ہاں ایک نوکرانی بھی تھی۔ آپا جی مطمئن اور خوش تھیں۔ مگر ان کی صحت دن بدن گرتی ہی چلی جا رہی تھی۔ بیٹا ان کے علاج پر اپنی کمائی بے دریغ خرچ کر رہا تھا۔ پھر بھی طبیعت سنبھلنے کی جگہ بگڑتی ہی جا رہی تھی۔

وہ دن میں کئی بار آپا جی کے ہاں جاتی۔ اور ایک بیٹی کی طرح خدمت کرتی۔

کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لئے دادی بھی عبادت کو اس کے ساتھ

آجاتیں۔

ایک دن عادل کے گھر کی نوکرانی بھاگتی ہوئی آئی۔اور دادی سے بولی

سلطانہ بی بی کی طبیعت بہت خراب ہے۔وہ آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔

تم جاؤ۔میں نماز پڑھ کر شیبا کے ساتھ آجاؤں گی۔

دادی کا جواب سن کر نوکرانی چلی گئی۔

دادی کے نماز پڑھ چکنے کے بعد وہ بے قراری سے ٹہل ٹہل کر دل ہی

دل میں آپا جی کی صحت کے لئے خدا سے دعائیں مانگتی رہی۔

آپا جی بستر پر آنکھیں بند کئے پڑی تھیں۔ ماں کے سرہانے عادل بیٹھا تھا۔اس کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا تھا۔جیسے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ضبط کئے بیٹھا تھا۔

سلطانہ میں آگئی ہوں۔دادی نے پاس جا کر آپا جی کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ان کی آنکھوں میں بھی نمی موجود تھی دادی پاس بیٹھ گئیں۔آپا جی کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں اپنے دوپٹہ سے پونچھتے ہوئے بولیں۔سلطانہ تم اچھی ہو جاؤ گی۔کیوں آزردہ ہوتی ہو۔

میرا وقت آگیا ہے سعیدہ باجی۔ایک ارمان تھا جو دل میں لئے جا رہی ہوں۔

نہیں نہیں۔ایسی مایوسی کی باتیں مت کرو۔میں تمہاری بہن ہوں۔دل کی بات مجھ سے کہہ ڈالو۔

میرے عادل کو اپنا بنا لیجئے۔پر امید نظروں سے دادی کو تکتے ہوئے آپا جی نے کہا۔وہ تو اپنا ہی ہے۔میں نے کب اُسے غیر سمجھا۔دادی نے عادل کو پیار

کی نظر سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

میں عادل کے لئے شیبا بیٹی کا ہاتھ مانگتی ہوں۔ کیا آپ میرا یہ ارمان پورا کر سکیں گی۔ کئی بار آپ سے کہنا چاہا۔ مگر زبان نہ کھل سکی۔ اب تو میرا وقت آچکا ہے۔ اب بھی نہ کہوں گی تو...... آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اتنی بات کرنے سے نقاہت بڑھ گئی۔ اور ان کا سانس پھولنے لگا۔ ان کی پر امید نظریں دادی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ ان کی حالت کا دادی اندازہ کر چکی تھیں۔ وہ دادی سے لگ کر پاس ہی کھڑی تھی۔ اس کا ہاتھ لے کر عادل کے ہاتھ میں دیتے ہوئے دادی نے کہا۔ دیکھو سلطانہ میں نے شیبا کا ہاتھ عادل کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ رشتہ پکا ہو گیا۔ اب تم اچھی ہو کر اسے بہو بنا کر اپنے ہاں لے آنا۔

شکر گزار نظروں سے دادی کو دیکھ کر وہ ذرا سا مسکرائیں۔ پھر بیٹے سے مخاطب ہو کر مدھم سی آواز میں بولیں۔ عادل...... میری بچی...... تمہارے سپرد...... ہے۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھنا...... اسے کوئی غم...... نہ آئے۔

وہ اتنی دیر سے آپا جی کی حالت دیکھ کر ضبط سے کام لے رہی تھی۔ مگر اب باوجود کوشش کے سنبھل نہ سکی۔ سسکیوں کے ساتھ رو پڑی۔

عادل بھی دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر رو دیا۔ دادی دونوں کو بمشکل اٹھا کر باہر لا کر چھوڑ گئیں۔ اسی رات آپا جی ہمیشہ کی نیند سو گئیں۔

ماں کے انتقال سے عادل کی طبیعت ایک دم بگڑ گئی۔ یہ شدید صدمہ وہ برداشت نہ کر سکا۔ کئی دنوں تک بستر پر ہی پڑا رہا۔ ہر روز دادی کے ساتھ وہ عادل کو دیکھنے جاتی اور بڑی دیر تک وہیں رہ کر اس کی تیمارداری کرتی۔ دن بیتتے گئے اس

کی طبیعت سنبھل گئی۔آپا جی کے انتقال کے ایک مہینے بعد وہ کام پر جانے کے قابل ہو سکا۔

صبح اٹھ کر گھر سے چلا جاتا۔تو پھر رات ہی کو لوٹتا۔گھر میں ماں نہیں تھی جو سائبان بن کر اس پر چھائی ہوئی تھی۔اس کی چھوٹی سی چھوٹی ضرورت کا بھی خیال رکھنے والی ماں اب کہاں تھی۔دروازے پر پیار بھری مسکراہٹ ہونٹوں پر لئے کھڑی بیٹے کا انتظار کرنے والی اب مٹی کے نیچے جا سوئی۔اب وہ کس لئے گھر آنے کی جلدی کرتا۔کام سے فارغ ہو کر بھی بلا مقصد ادھر اُدھر گھومتا پھرتا پھر جب آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگتیں تو وہ گھر آکر بستر پر پڑ جاتا۔تھکے جسم کی وجہ سے فوراً نیند آجاتی۔اس طرح وہ اُداس زندگی بسر کر رہا تھا۔

دادی بدنامی کے ڈر سے اب اُسے عادل کے ہاں جانے نہ دیتی تھیں۔ کئی دنوں سے عادل سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔وہ اس کے خیال سے بہت اداس رہنے لگی۔اس کی اداسی کی وجہ دادی کو معلوم تھی۔ایک دن دادی نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔اداس نہ ہو بیٹی۔میں کوشش میں ہوں۔موقعہ دیکھ کر شوکت سے بات کروں گی۔

کہیں وہ نہ مانے تو کیا ہوگا دادی۔ میں اب کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔میں اس کی ہو چکی ہوں۔

میں جانتی ہوں بیٹی۔شوکت میرا بیٹا ہے۔ میں اس کی ماں ہوں۔ میری خواہش کا اُسے احترام کرنا ہی ہوگا۔میرا بیٹا نافرمان نہیں ہے۔فیشن ایبل بیوی نے تھوڑا بس میں کر لیا ہے۔پھر بھی اس نے آج تک میری کوئی بات نہیں ٹالی۔ وہ مطمئن ہو کر اس دن کا انتظار کرنے لگی۔ جو ہر لڑکی کی

زندگی میں ایک بار آتا ہے۔

شیبا۔نئی ماں نے پکارا۔

جی۔امی۔

یہ ٹیلیگرام ہے۔میرا بھانجہ وحید آرہا ہے۔اس کے لئے اوپر والا کمرہ ذرا ٹھیک کرادینا۔

جی۔اچھا۔امی۔

اور سنو۔اُسے مرغ کا قورمہ بہت پسند ہے تم خود ہی تیار کردینا۔ خانساماں کبھی کبھی بگاڑ دیتا ہے۔

میں خود تیار کروں گی امی۔

شیبا باجی۔میری ساڑھی کہاں ہے میں نے استری کرنے کو دی تھی۔

میری الماری میں سامنے ہی رکھی ہے اٹھالو۔

نہیں۔تم لادو۔میری اچھی باجی۔وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ٹھیک دس بجے کلب پہنچنا ہے اور میں ابھی تک تیار بھی نہیں ہوئی۔

ماں بیٹی دونوں کام نکالنے کے لئے خوشامد خوب کرتی ہیں۔یہ سوچ کر وہ اٹھی اور انجم کی ساڑھی لاکر اس کے کمرے میں رکھ دی۔

ماں بیٹی دونوں تیار ہوکر چلی گئیں۔تو وہ اوپر وحید کے لئے کمرہ ٹھیک کرنے چلی گئی۔اس کام سے فارغ ہوکر نیچے آئی اور دوپہر کے کھانے کے انتظام میں لگ گئی۔

کھانا تیار ہوچکا تھا تو وہ ذرا دیر آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

دادی کے کمرے سے ابو کے بات کرنے کی آواز آرہی تھی۔

ابو کہہ رہے تھے۔لڑکا انجم کو دیکھنے کے لئے آرہا ہے۔باجی نے بچپن میں ہی وحید کے لئے انجم کو مانگ لیا تھا۔مجھے معلوم ہے دادی نے کہا۔عشرت تو اکثر انجم کو لے کر بہن کے ہاں پونا جاتی رہتی ہے۔تو کیا لڑکے نے انجم کو نہیں دیکھا۔

نہیں ماں جی۔وحید دس سال پہلے یوروپ میں تھا۔اس نے وہیں ہوسٹل میں رہ کر تعلیم پائی ہے۔

اوہ تو خاصہ فیشن ایبل ہوگا۔اچھا ہے۔دونوں کی جوڑی خوب رہے گی۔اللہ مبارک کرے۔

شیبا کے لئے خاں صاحب الطاف کا پیغام ہے عمر ذرا زیادہ ہے مگر پڑھا لکھا۔خاصہ امیر آدمی ہے۔

نہیں نہیں۔شیبا کی تم فکر نہ کرو۔اس کے لئے میں نے لڑکا پسند کرلیا ہے۔

کون ہے وہ۔ابو نے اشتیاق سے پوچھا۔

اپنا عادل۔

کیا۔ابو چیخ پڑے۔وہ پھکڑ جو کارخانہ میں مزدوری کرتا ہے۔اُسے آپ میرا داماد بنائیں گی۔

ہاں۔میں فیصلہ کر چکی ہوں۔عادل کارخانہ کا مزدور ہے تو تمہاری دولت اسے کارخانہ کا مالک بنا سکتی ہے۔

یہ نہیں ہوسکتا ماں جی۔میری عزت مٹی میں مل جائے گی۔

ایک غریب کو داماد بنانے سے عزت مٹی میں مل جائے گی۔کلب میں بیوی اور جوان بیٹی رات گئے تک غیر مردوں کے بیچ گھسی بیٹھی رہتی ہیں۔اس سے عزت پر حرف نہیں آئے گا۔کیوں شوکت میں زبان دے چکی ہوں۔یہ رشتہ پکا ہو چکا ہے۔تمہیں اب صرف شادی کی تیاری کرنی ہے۔اگر تمہاری بیوی کو اعتراض نہ ہو تو انجم کے ساتھ ہی ہو جائے یا پھر............

میں نے یہی سوچا تھا ماں جی۔انجم کے ساتھ ہی دھوم سے شیبا کی شادی بھی ہو جائے گی۔مگر اب یہ ممکن نہیں۔

ٹھیک کہتے ہو۔اب یہ کیسے ممکن ہے۔اونچے داماد کے ساتھ پھکو داماد اچھا نہیں لگے گا۔بہتر یہی ہے کہ شیبا کی شادی اگلے مہینے نہایت سادگی سے کر دی جائے پھر انجم کی شادی میں تم اپنے ارمان نکالنا۔

ماں جی۔زبان دینے سے پہلے ایک بار مجھ سے پوچھ تو لینا تھا۔آخر میں اس کا باپ ہوں۔تو شیبا کا باپ ہے مجھے معلوم نہیں تھا۔میں تو تجھے انجم کا باپ سمجھتی تھی۔دادی نے طنزیہ لہجہ میں کہا تو ابو کا سر جھک گیا۔

شکر ہے خدا کا جو تم نے اپنی زبان سے اقرار تو کیا کہ تم اس کے باپ ہو۔اگر اس حقیقت سے بھی انکار کر دیتے تو میں تمہارا کیا بگاڑ لیتی۔اف مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا ہی خون اتنا ظالم بھی ہو سکتا ہے۔باپ کے ہوتے ہوئے وہ غریب بچی ایک یتیم کی طرح پرورش پا کر بڑی ہوئی میری گود میں باپ کی شفقت اور محبت سے محروم۔پیار کی بارشیں انجم پر ہوتی رہیں۔ماں باپ دونوں کا پیار اسے ملتا رہا۔تم نے کبھی سوچا گھر میں تمہاری محبت بھری صرف اک نظر کو ترس رہی ہے۔یاد کرو کبھی ایک بار تم نے اُسے گود میں لے کر پیار کیا ہے۔دس

چیزیں انجم کے لئے لاتے تو ایک چیز اس کی طرف بھی بڑھا دیتے۔ انجم کے کھلونے اس کے کپڑے اور دوسری بہت سی چیزوں کو دیکھ کر یہ معصوم ہمیشہ ترستی رہی۔ مگر میں نے اسے دینے میں کوئی کمی نہیں کی مگر اس کے دل میں تو تمہارے ہاتھ سے پانے کی خواہش تھی۔ اس کی کتنی معصوم خواہشوں کے گلے اس گھر میں بڑی بے رحمی سے گھونٹے گئے۔ میں کہاں تک بیان کروں۔

ابو پتھر کی طرح ساکت سر جھکائے بیٹھے رہے۔ لگتا تھا دادی کی باتوں کا وہاں کوئی اثر نہ تھا۔ پتھر بھی کہیں باتوں کا اثر لیتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اٹھ کر جانے لگے تو دادی نے کہا کہ شوکت میں فیصلہ کر چکی ہوں تمہیں میرے فیصلے کا پابند ہونا پڑے گا۔ شیبا پر تمہارا کوئی حق نہیں۔ وہ میری ہے۔ میں نے اسے ماں باپ دونوں کا پیار دے کر پالا ہے۔ اس کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا مجھے پورا حق حاصل ہے۔ دادی کی آواز میں رعب بھی تھا اور دبدبہ بھی۔

میں نے کب انکار کیا ماں جی۔ شیبا انجم دونوں آپ ہی کی ہیں۔ دونوں کی تقدیر کا فیصلہ آپ ہی کی مرضی پر ہے۔ ابو نے کہا اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

دادی کے چہرے پر فتح مندانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

چار بجے کے قریب وحید آ گیا۔ گھر میں ابو تھے نہ امی۔ تین بجے تک ابو انتظار کرتے رہے پھر کھانا کھا کر باہر چلے گئے۔

دادی نے وحید کا خیر مقدم کیا۔ اور اپنے کمرے میں لے آئی۔ وحید خوبصورت خد وخال نوجوان تھا۔ سرخ وسفید رنگ چھریرے بدن کا دراز قد آدمی۔ انجم کے جوڑ کا لگتا تھا۔ دادی نے اور خود اس نے بھی وحید کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔ رسمی باتوں کے بعد دادی نے کہا۔ شیبا بیٹی بھولا سے کہو وحید کا سامان اوپر لے جائے۔

سامان اوپر کمرے میں رکھ دیا گیا۔ اس نے جواب دیا۔

جاؤ بیٹے آرام کرو۔ سفر کی تھکان ہوگی۔ شیبا بیٹی وحید کے لئے چائے اوپر بھجوا دو۔

چائے تو میں ہوٹل سے پی کر آیا ہوں۔ آپ تکلیف نہ کریں۔

کھانا بھی تم نے ہوٹل سے کھایا ہوگا۔ تین بجے تک ہم لوگ انتظار کرتے رہے۔

راستے میں گاڑی ذرا بگڑ گئی تھی۔ اسی سے دیری ہوگئی۔ پھر شیبا کی طرف دیکھ کر آپ انجم کی باجی ہیں نا۔

جی____!

آپ آنٹی اور انجم کے ساتھ کلب نہیں گئیں۔

نہیں۔ مجھے اس قسم کا کوئی شوق نہیں ہے چلئے میں آپ کا کمرہ دکھا دوں۔ وہ وحید کو اوپر کمرے میں لاکر بولی۔ یہ ہے آپ کا کمرہ۔

کمرہ تو خاصہ سجا ہوا ہے آپ ہی نے سجایا ہوگا۔ وحید نے مسکرا کر پوچھا۔

جی____ آپ چائے پئیں گے۔

ہوٹل سے پیا تو تھا۔ پھر بھی آپ پلائیں گی تو پی لوں گا۔

ابھی بھیجتی ہوں۔ وہ نیچے چلی آئی۔ تھوڑی دیر کے بعد چائے اور اس کے ساتھ پر تکلف ناشتہ اور بھجوا دیا۔

رات کھانے کی میز پر آج ہمیشہ کی طرف خاموشی نہیں تھی۔ وحید کی دلچسپ باتوں میں کھو کر کھانا ہر ایک نے خوب لطف لے کر کھایا۔ ابو اور وحید دونوں نے مرغ کے قورمہ کی بڑی تعریف کی۔ امی بھی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکیں۔

کھانے کے بعد ڈرائنگ روم میں محفل جمع ہوئی۔ وہاں بھی وحید اپنی باتوں سے سب کو ہنساتا رہا۔ گھڑی نے بارہ بجائے تو سب سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

صبح ناشتہ کے بعد وہ اسکول جانے کے لئے گھر سے نکلی۔ تو وحید بھی کہیں باہر جانے کے لئے تیار ہو کر نکلا۔ اُسے دیکھتے ہی پوچھا شیبا بہن۔ آپ کہاں جا رہی ہیں۔

اسکول جارہی ہوں۔

ارے۔آپ ابھی تک اسکول میں پڑھتی ہیں۔

جی ___ سلائی کی ٹریننگ دینے والے اسکول میں۔

اوہ۔میں سمجھا چھوٹی بہن کالج میں اور آپ وہ کہتے ہوئے ہنس دیا۔ اتنی مٹھوس تو نہیں لگتیں۔

آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں مٹھوس تو نہیں ہوں۔اس نے مسکرا کر پوچھا۔

بس سمجھ لیا۔مٹھوسوں کا چہرہ بتا دیتا ہے کہ ہم آگے پڑھنے والے نہیں۔

خیر جانے دیجئے۔اچھا ہوتا آپ انجم کے ساتھ کالج میں داخلہ لے لیتیں۔

گھر کی ذمہ داریوں کا سارا بوجھ دادی پر تھا۔اس لئے میں نے سوچا......

بس۔بس سمجھ گیا۔آنٹی ہماری امی سے بالکل مختلف ہیں۔وہ گھر کے کسی کام کو ہاتھ لگانے کی نہیں۔پھر ذرا جھک کر آہستہ سے پوچھا۔غالباً انجم بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر ہوگی۔

وہ تو ابھی پڑھتی ہے۔اسے گھر کے کاموں کی فرصت کہاں۔اس نے جواب دیا اور گھڑی دیکھ کر بولی۔اُف بہت دیر ہوگئی وہ اسکول کو چل دی۔ جاتے ہوئے اس نے دیکھا آج خلاف معمول عادل کے مکان کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔وجہ معلوم کرنے کے لئے وہ اندر چلی گئی۔عادل بستر پر لیٹا ہوا تھا۔اسے دروازے پر دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔شیبا میں تمہیں یاد کر رہا تھا۔اچھا ہوا تم آگئیں۔

مکان کا دروازہ کھلا دیکھ کر چلی آئی۔ کیا ہوا تمہیں۔ آج کام پر نہیں گئے۔

نہیں رات سے بخار ہے۔

بخار لئے اکیلے پڑے رہے۔

ساتھی کون ہے جسے بلاتا۔ اس کے لہجہ میں گہری اداسی تھی۔ وہ غور سے اس کے افسردہ چہرے کو دیکھنے لگی۔ کتنا کمزور اور زرد ہو گیا تھا۔

عادل۔ عادل سے بھی بری تھی گھر کی حالت۔ ہر چیز گرد آلود۔ ہر شے ترتیب دینے والے ہاتھ نہ ہونے سے بکھری پڑی تھیں۔ عادل کا بستر تو بے حد میلا ہو رہا تھا۔ آپا جی ہوتیں تو اس بیچارے کی یہ حالت کیوں ہوتی۔ اس کا کوئی نہیں جو بستر بدل دے۔ کمرہ ٹھیک ٹھاک کر دے۔ اس کا دل درد سے کراہ اٹھا۔ وہ سوچنے لگی کتنی مجبور ہوں میں۔ عادل کے سکھ اور آرام کے لئے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میرا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی دنیا کی نظروں میں میرے لئے وہ غیر ہے۔ خدا جانے اس مبارک دن کے آنے میں اب کتنی دیر ہے۔ جب میں اپنے عادل کو گھر کا پورا سکھ اور آرام دینے کے لئے اپنا تن من نچھاور کر سکوں گی۔

کیا سوچ رہی ہو شیبا۔ آئی ہو جب سے کسی گہری سوچ میں ہو۔

تمہاری اور گھر کی حالت کے متعلق سوچ رہی تھی۔

گھر میں کوئی نہ ہو تو یہی حالت ہوتی ہے۔ گھر والی آ جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ عادل نے اس کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

تو وہ شرما گئی۔

شیبا۔ عادل نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اور جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا تم میری زندگی کے اندھیروں کو دور کرنے اجالا بن کر کب آؤ گی۔ مجھے اور کتنا انتظار کرنا ہے۔

میں کیا جانوں۔ وہ بری طرح لجا گئی۔

یہ تنہائیاں اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں۔ ماں کو کھو کر میں بھنور میں ہچکولے کھا رہا ہوں۔ اس وسیع و عریض جہاں میں میرا کوئی نہیں رہا۔ ماں کا پیار اب مجھے نہیں مل سکتا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھین لیا گیا ہے۔ اب مجھے پیار و محبت تم ہی دے سکتی ہو۔ صرف تم۔ جلدی سے میری زندگی میں آ جاؤ۔ ورنہ شاید میں بہت انتظار نہ کر سکوں۔ گھر کی یہ اداسیاں اور تنہائیاں مجھے پاگل بنا دیں گی۔ میں کسی کے ایک پیار کے ایک لفظ کو ترس گیا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے وہ رو دیا۔

ایسی باتیں نہ کرو عادل وہ تڑپ کر بولی۔ میں بہت جلد تمہارے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آ جاؤں گی۔ دادی کی کوشش سے ابو مان گئے ہیں۔

سچ۔ عادل مارے خوشی کے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

یہ کیا کرتے ہو۔ بخار ہے لیٹ جاؤ۔

تمہارے آ جانے سے بخار خود ہی ہلکا پڑ گیا۔

ڈاکٹر کو دکھا کر دوا لے لینا عادل۔

فلو کا اٹیک ہے۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔

نہیں نہیں۔ تم آج کسی وقت ضرور جانا ڈاکٹر کے پاس۔

اچھا۔ تم کہتی ہو تو چلا جاؤں گا۔

تم نے کچھ پیا عادل۔ چائے بنا لاؤں۔

رات ہوٹل سے چائے اور دو سلائس ڈبل روٹی کھا کر آیا تھا۔ صبح بستر سے اٹھا نہ گیا۔ کیسے چائے بناتا۔

اُف اتنی دیر کہا کیوں نہیں۔ بسکٹ ہے گھر میں۔ ہو گا۔ دو دن پہلے لایا تھا۔ مگر تم تکلیف نہ کرو۔

شیبا۔ تم ابھی چلی جاؤ گی۔ اتنی دیر میں تم سے باتیں کر لو۔ بہت سی باتیں بھری ہیں دل میں۔

باتیں بھی کریں گے چائے ابھی پانچ منٹ میں بن جاتی ہے۔ میں ابھی لائی۔ یہ کہہ کر وہ رسوئی میں چلی گئی۔ اسٹو و جلا کر چائے کے لئے پانی رکھ دیا۔ اور میلے برتن دھونے لگی۔ برتن دھو کر سجانے کے بعد الماری سے دودھ چینی وغیرہ نکال کر چائے بنائی۔ بسکٹ بھی دو چار مل گئے۔ ٹرے لے کر جب عادل کے کمرے میں پہنچی۔ تو عادل کمرے میں ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔

یہ کیا بخار بڑھانے کا ارادہ ہے کیا۔ آرام کرنے کے بجائے ٹہل رہے ہو۔

میری طبیعت بحال ہو چکی ہے۔ میں اب بیمار نہیں ہوں۔ دل کی خوشی اور اطمینان ملا تو سب ٹھیک ہو گیا۔

لو چائے پیو۔ میں تمہارا کمرہ ٹھیک کر دوں۔ کتنا گندہ ہو رہا ہے۔

پہلے تم میرے ساتھ چائے پیو۔ پھر ٹھیک کرنا۔

چائے میں تو گھر سے پی کر نکلی تھی۔

تو کیا ہوا۔ میرے ساتھ تھوڑا سا۔ میری خوشی کے لئے۔

اچھا اچھا۔ پی لوں گی۔

دونوں چائے پی چکے تو اس نے الماری سے چادریں اور تکیہ کے غلاف نکالے۔ دھلی ہوئی چادر بستر پر بچھائی تکیہ کے غلاف بدلے۔ پھر کمرے کی صفائی میں لگ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں کمرہ چمکنے لگا۔ عادل خاموش کرسی پر بیٹھا سلیقہ مند ہاتھوں کا کمال دیکھ رہا تھا۔ عورت کے بغیر گھر گھر نہیں ہوتا۔ کباڑے کی دکان بن جاتا ہے۔

اب لیٹ جاؤ عادل۔

صاف ستھرا بستر دیکھ کر نیند آ رہی ہے۔ عادل نے مسکرا کر کہا۔ اور بستر پر لیٹ گیا۔ نیند آ رہی ہے تو سو جاؤ۔

تھوڑی سی دیر کے لئے تم ملی ہو۔ میں تم سے باتیں کروں گا۔ جی بھر کے۔ پھر نہ جانے کب ملو گی۔

میرا دل ہر روز تم سے ملنے کو چاہتا ہے۔ مگر دادی آنے نہیں دیتیں۔

وہ ٹھیک کر رہی ہیں۔ دنیا کی زبان چپ نہیں رہے گی۔ ہمارے پیار کی پاکیزگی کو کوئی نہیں سمجھے گا۔ لوگ تمہیں بدنام کر دیں گے۔ آئندہ تم اکیلی مت آنا شیبا۔ تھوڑی سی دیر کے لئے آ کر تم نے مجھے کتنا سکون بخش دیا۔ مگر اپنی خوشی اور سکون کے لئے تمہاری برائی اور بدنامی برداشت نہ کر سکوں گا تم چلی جاؤ۔

تم بھی چلو ____ میں گھر چلی جاؤں گی۔ تم ڈاکٹر کے پاس چلے جانا۔

ایک بجنے کو ہے۔ ڈاکٹر کہاں ہوگا اس وقت ڈسپنسری میں۔ میں چار بجے چلا جاؤں گا۔

ضرور جانا۔

ضرور۔ چلو میں تمہیں دروازے تک چھوڑ آؤں۔

نہیں۔ تم لحاف اوڑھ کر لیٹ جاؤ۔ میں چلی جاؤں گی۔ اس نے عادل کے اوپر رضائی ڈالتے ہوئے کہا۔

خدا حافظ۔ اس نے کہا اور وہاں سے چلی آئی۔ گھر پہنچی تو دادی نے پوچھا۔ آج اسکول میں اتنی دیر کیسی ہو گئی۔

میں اسکول نہیں گئی دادی۔

پھر کہاں تھی اتنی دیر۔

عادل کے پاس۔ اس نے سر جھکا کر کہا۔

وہ اس وقت گھر میں کیا کر رہا ہے۔

بخار آ گیا ہے۔ لیٹا ہے۔

شیبا۔ میں نے تمہیں منع کر دیا تھا۔ ایسی ناسمجھی کی حرکتیں نہ کرو۔ بدنام ہو جاؤ گی مجھے تم دونوں پر پورا بھروسہ ہے مگر............

میں جانتی ہوں دادی۔ بے وقت دروازہ کھلا دیکھ کر دل نہیں مانا۔ حال پوچھنے چلی گئی۔ آئندہ کبھی نہیں جاؤں گی۔ یہ کہتے ہوئے وہ رو پڑی۔ کیا اس کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔ دادی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

نہیں فلو کا ہلکا سا اٹیک ہے۔ مگر وہ تنہا پڑا ہے۔ کوئی اس کا پوچھنے والا نہیں۔ اللہ نہ کرے کہیں طبیعت زیادہ خراب بھی ہو جائے تو بغیر دوا علاج کے پڑا رہے گا۔

فکر نہ کرو۔ ہر رات بھولا کو سونے کے لئے وہاں بھیج دوں گی۔ مگر تم

مت جانا۔

اس نے وعدہ کرلیا۔ اور جانے کو مڑی تو دادی نے کہا تھوڑی سی یخنی بنالو۔ بھولا جا کر پلا آئے گا۔

وہ رسوئی میں جا کر یخنی تیار کر رہی تھی۔ تو وحید وہاں چلا آیا۔ اور بولا یہاں کیا ہو رہا ہے۔

وحید بھیا آپ یہاں کیوں آ گئے۔ شیبا نے حیران ہو کر پوچھا۔

باہر بورڈ لگا دیا ہوتا۔ یہاں مردوں کا داخل ہونا بند ہے۔ بورڈ نظر نہ آیا تو گھس گیا۔ یہاں کیا ہو رہا ہے بے وقت۔

کچھ نہیں ذرا یخنی تیار کر رہی ہوں غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے نکل گیا۔

یخنی یہاں کس کے لئے ____ کوئی تو بیمار نہیں۔

وہ گھبرا گئی ____ جواب نہ دے سکی۔

وحید نے بھی شاید کریدنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔ آج ہم پکچر دیکھنے جا رہے ہیں۔ آپ بھی تیار ہو جایئے۔

نہیں ____ مجھے پکچر دیکھنے کا شوق نہیں ہے۔

بھئی دنیا کے عجوبات میں سے ایک ہیں آپ بھی۔ لڑکیاں تو لڑکیاں بڑی بوڑھیاں تک اس زمانے کی پکچر کے نام پر اچھل پڑتی ہیں۔ اور ایک آپ ہیں بڑے مزے سے کہہ دیا۔ شوق نہیں۔

دیکھنے والوں کو اس کا شوق رہتا ہوگا۔ بھیا۔ میں نے تو آج تک کبھی دیکھا ہی نہیں۔

کیا۔ حیرت سے وحید کی آنکھیں پھیل گئیں۔

سچ کہتی ہوں بھیا۔ اس نے ذرا افسردگی سے کہا۔

انجم ایک پکچر نہیں چھوڑتی۔ اور آپ نے ایک بھی نہیں دیکھا۔

کون کون جا رہا ہے۔

میں اور انجم۔

تو ٹھیک ہے۔ چلے جایئے۔ ویسے بھی مجھے آپ دونوں کی تنہائی میں دخل ہونے کا کوئی حق نہیں۔

نہیں نہیں۔ آپ کو بھی چلنا ہوگا۔ تیار ہو جایئے نا۔

وحید تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ امی نے آکر کھا جانے والی نظروں سے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

شیبا بہن کو بھی سنیما چلنے کی دعوت دے رہا ہوں مگر یہ نہیں مانتیں۔

ٹھیک ہی تو ہے۔ تم دونوں جا رہے ہو۔ بیچ میں اس کی کیا ضرورت ہے۔ انجم تیار ہو چکی ہے۔ جاؤ تم بھی تیار ہو جاؤ۔

وحید چپ، چاپ سر جھکائے چلا گیا۔ امی ایک بار پھر قہر آلود نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے غصے میں پیر پٹختی ہوئی چلی گئیں۔ وہ ان آنکھوں میں بھرے قہر کو دیکھ کر سہم گئی۔

ماں جی۔

کہو۔

میرا دوست شاہ آ رہا ہے۔

نئی بات کون سی ہے۔ وہ تو آتا ہی رہتا ہے۔ شاہ جس کمرے میں ٹھہرتا تھا وہاں تو اب وحید ہے۔ شیبا آپ کے کمرے میں آجائے۔ تو اس کا کمرہ شاہ کے لئے ٹھیک کرادیا جائے۔ تو اچھا ہے۔

تمہاری طرف تو کئی کمرے ہیں۔ یہاں ہماری جان پر کیوں غیر مرد کو گھسا رہے ہو۔ ماں جی۔ شاہ غیر نہیں ہے۔ اُسے تو آپ میرے برابر سمجھتی ہیں۔

اب بھی سمجھتی ہوں۔ مگر جواب لڑکی کے بیچ میں غیر مرد کا اٹھنا بیٹھنا میں پسند نہیں کرتی۔

ماں جی آپ بھی عجیب ہیں۔ وہ بھی دونوں کو اپنی بھتیجیاں ہی سمجھتا ہے کتنا پیار کرتا ہے وہ بچوں سے۔

انجم کو پیار کرتا ہوگا۔ شیبا بے چاری کو جب اس کا باپ ہی پیار نہیں کرتا تو وہ غیر آدمی کیا کرے گا۔

ماں جی خدا کے لئے آپ بار بار ایسا طنز نہ کیجئے۔ میری مجبوریوں کو آپ سمجھتی ہیں۔

آگ لگے تیری مجبوریوں کو اتنا بھی کوئی دب جاتا ہے بیوی سے۔

دبنے کی بات نہیں ہے ماں جی۔ میں گھر میں کسی ہنگامے سے بہت گھبراتا ہوں چاہتا ہوں جیسے بھی ہو سکون بنا رہے۔

جو جی میں آئے کر۔ میں کچھ نہیں کہتی۔ دادی نے چڑ کر کہا۔ شیبا کا کمرہ خالی کردوں گی۔ وہ رہے گا کتنے دن۔

یہ تو معلوم نہیں۔ وحید چلا جائے گا تو اوپر والا کمرہ اسے دے دیں

گے۔ ماں جی میں شاہ کے ساتھ مل کر یہاں کوئی کاروبار شروع کرنے والا ہوں۔ وہ بڑا کامیاب تجارت پیشہ آدمی ہے خاصہ تجربہ ہے اسے مگر بیچارے کے پاس روپیہ کم ہے بزنس میں تو بڑی رقم روکنی پڑتی ہے۔ اس لئے میں سوچتا ہوں ہم دونوں پارٹنر بن کر کاروبار شروع کریں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔

شروع کرو۔ مگر تمہارے پاس وقت کہاں۔ دن میں تھوڑی دیر آرام کرنے کی فرصت بھی نہیں ملتی۔ یہ بکھیڑا کیسے سنبھالو گے۔

سب کچھ شاہ کرے گا۔ میرا کام صرف روپیہ لگانا ہے۔

تم جانو۔ دادی نے کہا۔ پھر پوچھا میرا کام کب کر رہے ہو۔

آپ کا کام کیسا؟

بیٹی۔ شیبا کی شادی کی بات کر رہی ہوں۔

جلدی نہ کیجئے ماں جی۔ خوب ٹھنڈے دل سے سوچ لیجئے۔

خوب سوچ لیا ہے۔ اب دیر برداشت نہیں کروں گی۔

تم نہیں مانو گے تو میں کل ہی قاضی کو بلوا کر............

نہیں نہیں ماں جی۔ ایسا نہ کیجئے۔ لوگ کیا سمجھیں گے۔

تو پھر کیا کروں تم ٹالے جاتے ہو۔ بیٹا میری طبیعت اندر سے اچھی نہیں ہے۔ دو قدم چلتی ہوں تو چکر آتے ہیں۔ جانے کب یہ چلتی سانس رک جائے۔ میری زندگی میں اسے اپنے گھر کا کردو۔ میرے بیٹے اس کے علاوہ میں تم سے اور کچھ نہیں چاہوں گی۔

کیسی باتیں کرتی ہیں ماں جی آپ۔ میں نے کبھی آپ کی بات ماننے سے انکار کیا ہے۔

انکار تو واقعی نہیں کیا کبھی۔ ہاں ہاں کر کے کرو گے اپنی ہی۔ اس سے ڈرتی ہوں۔

دو مہینے کے اندر ہی انجم کی منگنی کی رسم کرنی ہے اسی دن شیبا کی شادی بھی کر دیں گے۔ ایک پنتھ دو کاج۔ ابو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جیتے رہو بیٹے۔ آج تم نے دل خوش کیا۔ دادی۔ نے بھی مسکرا کر کہا۔

ماں جی میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں آپ کا علاج ہونا چاہئے۔

نہیں بیٹے۔ اتنی عمر ہوگئی۔ میں نے ابھی تک ڈاکٹر کی دوا نہیں چکھی حکیم کا علاج کر رہی ہوں وہی ٹھیک ہے۔ تم شادی کی تیاری کرو۔ شیبا کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا تو میری طبیعت بھی اچھی ہو جائے گی۔

ماں جی آپ اطمینان رکھئے۔ آپ کی حسب خواہش سب کچھ کر دوں گا۔

جیؤ۔ دادی نے بیٹے کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ ابو چلے گئے تو وہ دادی کے پاس گئی اور پوچھا۔ آپ کی طبیعت خراب ہے کیا دادی۔

ہاں بیٹے۔ بڑھاپا ہے نا۔ کچھ نہ کچھ لگا ہی رہے گا۔ تم کیوں اتنی فکر کرتی ہو۔ فکر کیسے نہ کروں۔ آپ کو اپنی صحت کی پرواہ نہیں۔ نہ دوا نہ علاج ایسا نہیں چلے گا دادی۔ حکیم کے پاس چلئے دوا لے آئیں گے۔

بھولا کو بھیج کر حکیم سے دوا منگاتی ہوں۔ وہ دیکھو میز پر شیشیاں رکھی ہیں۔

کبھی دوا پیتے میں نے تو نہیں دیکھا۔ صرف منگا لینے سے طبیعت اچھی ہو جائے گی کیا؟

کبھی کبھی پی لیتی ہوں۔ کبھی بھول جاتی ہوں۔

آج سے میں پلاؤں گی وقت پر۔

اچھا اچھا پلا دینا۔ کتنے دن پلاؤ گی۔ دو مہینے کے بعد......

ہوں دادی۔ اس نے شرما کر اپنا چہرہ دادی کی گود میں چھپا لیا اور آنے والی زندگی کے حسین تصور میں ڈوب گئی۔

شیبا بہن۔

وہ مشین پر دادی کے کپڑے سی رہی تھی۔ مشین بند کر کے اٹھی اور دروازے کی طرف دیکھ کر بولی۔ کہئے۔

میری قمیض کے بٹن ٹوٹ گئے ہیں اگر تکلیف نہ ہو تو ذرا ٹانک دیجئے۔

تکلیف کیسی وحید بھیّا۔ آپ کا کام کرتے ہوئے میں ایک انجانی سی خوشی محسوس کرتی ہوں مگر...... ڈر لگتا ہے آنٹی سے۔ وحید نے مسکرا کر کہا۔ میں تو کل جا رہا ہوں۔ آپ کو تکلیف دینے پھر نہ جانے کب آؤں گا۔ شادی سے پہلے اور اب آنا ممکن نہیں لگتا۔

اتنا جی لگ گیا ہے آپ کا یہاں۔ امی سے کہہ کر جلدی شادی کرا لیجئے۔

شادی کی کچھ ایسی جلدی نہیں ہے دل کی بات کہہ دوں۔ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔

کیا ـــ وہ سہم کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

آپ کی سادگی۔ آپ کا سلیقہ اور آپ کی ہنرمندی ہر بات مجھے پسند

ہے۔

وحید بھیّا۔ آپ میرے کمرے سے چلے جایئے۔ اس نے قمیص وحید کی طرف پھینکتے ہوئے غصے سے کہا۔

بگڑو مت میری بھولی بہن۔ میرے کوئی بہن نہیں۔ ایک بہن کی میں نے ہمیشہ شدت سے خواہش محسوس کی ہے جو اپنے بھیّا کی ہر ضرورت کا خیال رکھے اس کے کمرے میں بغیر مانگے گرم گرم چائے پہنچائے۔ مزیدار کھانا اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلائے۔ یہاں آ کر آپ میں مجھے وہ سب کچھ ملا۔ جس کے میں خواب دیکھا کرتا تھا۔

بھیّا ___ مجھے معاف کر دیجئے۔ میں نے آپ کو غلط سمجھا۔

جاؤ معاف کیا ___ آج سے تم میری بہن ہونا۔ وحید نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ لگتا تھا اس کا دل برادرانہ جذبات سے معمور ہے۔

پیار کو ترسی ہوئی شیبا اچانک بھائی کا مقدس پیار پا کر خوشی سے جھوم اٹھی اس نے اپنا سر بھیّا کی چھاتی پر رکھ دیا۔ وحید نے بھی بڑے پیار سے اس کے سر کو اپنے ہاتھوں سے تھپتھپایا۔ کتنا سکون محسوس کر رہی تھی وہ۔ اچانک ہی وہ ہوش میں آ گئی اور پیچھے ہٹ گئی، سہم کر۔ بھیّا تم چلے جاؤ۔ بٹن ٹاک کر قمیص میں تمہارے کمرے میں بھجوادوں گی۔

میں تو یہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کرنے آیا تھا۔ وحید آرام سے کرسی پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ تو وہ بری طرح سے گھبرا گئی۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ خدا کیلئے یہاں نہ بیٹھئے۔ امی نے دیکھ لیا تو قیامت آ جائے گی۔

مرّومت۔ ماں بیٹی کلب گئی ہوئی ہیں۔ اب رات ہی کو واپسی ہوگی۔
ابو تو ہیں گھر میں۔
وہ شاہ انکل کے ساتھ بزنس کی باتوں میں کھوئے ہوئے ہیں۔
لاکھوں کے سرمائے سے کام شروع کرنے والے ہیں۔ لہٰذا باتوں کا جوش بھی گرما گرم ہے فی الوقت اس طرف آنے کا کوئی امکان نہیں۔ وحید نے ہنستے ہوئے کہا۔
کلب کیوں نہیں گئے بھیّا۔ تنہا بور ہونے کیلئے گھر میں کیوں بیٹھ گئے۔
سر درد کا بہانہ لے کر بیٹھ گیا۔ میں اس خرافات کو پسند نہیں کرتا۔ کلب سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔
انجم تو کلب کی دیوانی ہے۔ تعجب ہے یورپ میں اتنے سال رہ کر آئے ہیں اور اسی قسم کے شوق کو خرافات کہتے ہیں آپ۔
یورپ پڑھنے گیا تھا۔ انگریز کی دم بننے نہیں۔ خدا کا شکر ہے جس مقصد کیلئے گیا تھا اس مقصد میں پوری طرح سے کامیاب ہو کر لوٹا ہوں۔
آپ کی امی کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ کیسی ہیں وہ۔ برسوں سے بیمار ہیں کہیں نہیں جاتیں۔ فالج نے ٹانگوں کو ناکارہ کر دیا ہے۔ مگر گھر کے ہر کام میں بڑا دھیان رکھتی ہیں۔ پہیئے والی کرسی پر بیٹھ کر پورے گھر کا چکر لگاتی رہتی ہیں۔ مجال ہے نوکروں کی جو کوئی چیز ادھر سے ادھر کر دے۔
تب تو ہماری امی سے بالکل مختلف ہے۔ امی کو تو گھر کے کسی کام سے کوئی سروکار نہیں۔

ہو گا بھی کیسے۔ کام کرنے والے جو گھر میں موجود ہیں۔ وحید نے مسکرا کر کہا تم نے تو اپنے آپ کو گھر کے کاموں کے لئے وقف کر رکھا ہے۔

گھر کے کام بھی نہ کروں تو پہاڑ سا مان کیسے کٹے۔ وہ آہ بھر کر بولی۔

کہیں سیر و تفریح کو جایا کرو۔

دل نہیں چاہتا۔

عجیب ہو تم بھی۔ میری امی کا بھی یہی حال ہے۔ اب تو بیمار ہیں جب اچھی تھیں تب بھی اشد ضرورت کے بغیر گھر سے قدم باہر نہ رکھتی تھیں۔ دو سگی بہنوں میں کتنا فرق ہے۔ ایک فیشن کی دلدادہ اور دوسری خالص مشرقی فیشن سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ میں یوروپ سے یہ سوچ کر آیا تھا کہ زندگی کیلئے ساتھی کا چناؤ کروں گا تو وہ سادگی اور معصومیت کا مجسمہ ہو گی۔ حیا شرم میں ڈوبی خالص مشرقی لڑکی کا تصور لئے میں آیا تھا مگر یہاں آ کر ماں کے فیصلے کے آگے سر جھکانا پڑا۔ وہ بچپن میں ہی میرے لئے انجم کو مانگ چکی ہیں۔

انجم اچھی لڑکی ہے۔ شادی کے بعد آپ اُسے جیسا رکھیں گے وہ ویسا ہی رہے گی۔

مشکل ہے وہ آہ بھر کر بولا۔ خیر جیسے بھی بنا نباہ تو کرنا ہو گا۔ میں ماں کی بات ٹال نہیں سکتا۔ ان کی ہر خواہش کا مجھے احترام کرنا ہے۔ ارے ہاں ایک بات تو بتانا بھول ہی گیا۔ میں عادل بھائی سے ملنے گیا تھا۔

عادل کا نام سن کر اس کی نظریں شرم سے جھک گئیں۔

بھولا نے مجھے ماں جی کے فیصلے سے آگاہ کیا تو میں نے سوچا اپنے ہونے والے بہنوئی کو ذرا دیکھ لوں۔ ماشاء اللہ اچھا خاصہ خوبصورت آدمی

ہے۔

کیسے ہیں اب عادل۔وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

ٹھیک ہیں بخار نارمل پر آ گیا ہے۔ کہہ رہے تھے کہ کل سے کام پر جا رہے ہیں میں عنقریب ہی اپنا کام شروع کرنے والا ہوں۔آپ کے عادل کو اپنی منیجر بناؤں گا۔

سچ۔اس نے خوش ہو کر پوچھا۔

بالکل ___ وحید نے مسکرا کر کہا۔

شیبا۔دادی نے پکارا۔تو وہ قمیص جس کے بٹن ٹانک چکی تھی وحید کے ہاتھ میں دے کر اُدھر چلی گئی۔

دوسرے دن وحید چلا گیا وہ اس سے مل بھی نہ سکی۔انجم اور امی سائے کی طرح اُسکے ساتھ ساتھ تھیں۔

(6)

کئی دنوں تک وہ وحید کو نہ بھول سکی۔اس کی دلچسپ باتیں۔اس کا ہنسنا ہنسانا سب کچھ یاد آتا رہا۔دن گزرتے گئے۔یادوں کا غبار چھٹنے لگا۔ اسکول میں سلائی کا کورس پورا ہونے کو تھا اس لئے وہ اپنا سارا دھیان اس طرف لگائے ہوئے تھی۔

ابو اپنے بزنس کے سلسلے میں بڑے مصروف تھے۔انہیں اب کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔صبح جلدی جلدی ناشتہ کر کے شاہ انکل کے ساتھ باہر چلے جاتے تو پھر رات کے دس گیارہ بجے ہی لوٹتے۔بیٹے کی یہ بے پناہ

مصروفیت دیکھ کر دادی دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔ اُن سے بات کرنے کا کوئی موقع نہ مل رہا تھا۔ دن بیتتے جارہے تھے اور دادی کی اداسیاں بڑھ رہی تھیں۔ اب انہیں بار بار چکر آرہے تھے۔ طبیعت بہت خراب لگ رہی تھی۔ مگر وہ ظاہر نہیں ہونے دیتی تھیں ایک دن اُس سے نہ رہا گیا۔ بولی۔ دادی۔ ڈاکٹر کو یا حکیم کو بلا کر دکھا لیجئے۔ مجھے آپکی طبیعت اچھی نہیں لگتی۔

حکیم ڈاکٹر کیا کریں گے بیٹی۔ دل کا قرار میرے لئے بڑی دوا ہے وہی نہیں مل رہا اللہ نے صرف ایک ہی اولاد دی۔ اس کو ماں کا خیال نہیں۔ زندگی سے جی بھر گیا۔ اب اور جینے کی میرے دل میں ذرا بھی خواہش نہیں۔ بس تیری فکر ہے میرے جیتے جی تو اپنے گھر کی ہوجاتی تو میں پورے سکون سے موت کو لبیک کہہ سکتی۔ ان بے رحموں کے پاس تجھے چھوڑ کر مرنے کے خیال سے مجھے ڈر لگتا ہے۔

ایسی باتیں نہ کرو دادی۔ وہ دادی کے سینے پر اپنا سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

نہ رو میری بچی۔ ایک تو ہی تو ہے جس سے میں دل کی بات کہہ سکتی ہوں تو اس طرح رونے لگے گی تو پھر میں تجھ سے کوئی بات نہیں کروں گی۔

سب بات کرو دادی۔ صرف مرنے کی بات نہ کرو۔ مجھ سے سنا نہ جائے گا۔

اچھا نہیں کروں گی۔ دیکھو تجوری میں نوٹوں کا بنڈل رکھا ہوا ہے۔ گاؤں میں تیری ماں کی زمین تھی جو بک گئی۔ پورے چالیس ہزار روپے ملے ہیں یہ رقم تمہاری ہے۔ شادی کے بعد عادل سے کہنا اس رقم سے کوئی کاروبار

شروع کرے۔

آپ نہیں کہہ سکتی کیا دادی۔ وہ لجا کر بولی۔

میرا کہنا اچھا نہیں لگے گا بیٹی۔ وہ جانے دل میں کیا سمجھ بیٹھے۔

شیبا بی بی۔ شابو بازار سے آ گیا ہے چل کر حساب لے لیجئے۔

جاؤ بیٹی۔ خانساماں کو ضروری ہدایات دے کر اسکول چلی جاؤ بہت دیر ہو چکی ہے۔

آج آپ کی طبیعت اچھی نہیں لگتی دادی۔ میں اسکول نہیں جاؤں گی۔

میری طبیعت روز کی طرح ہے۔ تم اسکول سے ناغہ نہ کرو۔

کتنا خیال رہتا ہے دادی کو میرا یہ سوچ کر وہ پرستش بھری نگاہوں سے دادی کو دیکھتے ہوئے بے دلی سے اٹھ کر رسوئی کی طرف چل دی۔

دن بیتتے گئے۔ اندر ہی اندر پریشان رہنے سے دادی بیمار پڑ گئیں بیٹے کی لاپرواہی کا احساس ان کے اندر زہر کی طرح سرایت کرنے لگا مگر ان کے اندر اتنا ضبط تھا کہ اپنی طبیعت کی اس قدر خرابی کو انہوں نے ظاہر نہ ہونے دیا مرتے دم تک کتنی صابر اور خدا کا شکر بجالانے والی تھیں دادی۔ ایک وقت کی بھی نماز انہوں نے کبھی قضا نہ ہونے دی۔

دادی کی طبیعت کا ایسا حال دیکھ کر وہ اسکول جانا نہ چاہتی تھی مگر دادی زبردستی اسے اسکول بھیج دیتی۔ شاید اس خیال سے کہ اسکول میں دوسری لڑکیوں سے بات چیت کر کے اس کا جی ذرا بہل جائے۔

ایک دن اسکول سے وہ واپس لوٹی تو دادی کے کمرے میں سب کو جمع دیکھ کر اُس کے ہوش اڑ گئے۔

ابو۔امی شاہ انکل اور حویلی کے تمام نوکر چاکر وہاں موجود تھے وہ سب کو دھکیلتی ہوئی ان کے پلنگ کے پاس پہنچی تو ڈاکٹر ان کے پورے جسم پر سفید چادر اڑھانے کے بعد سر جھکائے کھڑا تھا۔ بستر پر دادی کا بے جان جسم پڑا تھا۔ مٹی کا ڈھیر۔ اس پر جان نچھاور کرنے والی دادی کی روح سارے تالے توڑ کر پرواز کر چکی تھی۔ یہ اچانک کیا ہو گیا کیسے ہو گیا۔ یہ سب پوچھنے کا اُسے ہوش نہیں رہا۔ اس کا سر چکرایا۔ وہ سنبھل نہ سکی گر رہی تھی کہ کسی نے اپنے بازوؤں میں سنبھال لیا۔ بس پھر اُسے کچھ بھی ہوش نہ تھا۔

اُسکے لئے یہ سانحہ اتنا دردناک تھا کہ کئی دنوں تک وہ اپنے آپ سے بے خبر بے ہوش پڑی رہی۔ جب بھی ہوش آتا تو وہ اپنے قریب بھولا کو یا خانساماں غفور کو دیکھتی وہی دونوں اس گھر میں اس کے غمگسار تھے۔ دن میں دو ایک بار ابوؔ بھی اس کے کمرے میں آتے۔ حال پوچھتے اور چلے جاتے۔ کبھی ڈاکٹر بھی اس کے ساتھ ہوتا۔ بھولا کے اصرار پر اُسے دوا پینی پڑتی۔ کھانے کو بھی بھولا کچھ لا دیتا اور بڑی اصرار سے کھلاتا تو وہ برائے نام کچھ کھا لیتی۔ ورنہ خاموش پڑی رہتی۔ اسے کھانے پینے کا ہوش تھا نہ نہانے اور کپڑے بدلنے کا۔ پورا ایک مہینہ اس خود فراموشی کے عالم میں بیت گیا سب کچھ اپنے معمول پر آ چکا تھا۔ ابو کا سوگ ختم ہو گیا وہ پھر سے اپنے کام میں اسی طرح مصروف ہو گئے جیسے گھر میں اتنا عظیم سانحہ ہوا ہی نہ تھا۔ انجم اور امّی کلب اور اپنی دوسری تفریحوں میں مگن ہو گئی تھیں لگتا تھا دادی کی موت ان کیلئے کوئی حسرت ناک سانحہ نہ تھا یہ عظیم ترین نقصان صرف اس کا تھا۔ وہی ایک اس بڑی سی حویلی میں تھی جو دن رات ان کی یاد میں تڑپ تڑپ کر آنسو بہا رہی تھی۔

شیبا بیٹی ــــ دودھ لایا ہوں پی لو۔
نہیں بھولا۔ جی متلا رہا ہے۔ میں کچھ نہیں پیوں گی۔
بیٹی۔ یوں کام نہیں چلے گا۔ اپنی حالت کو سنبھالو۔ دیکھو نا کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی۔ تمہیں ابھی ساری عمر گزارنی ہے۔ صبر اور حوصلہ سے کام لو۔

بھولا۔ دادی کا غم مجھ سے سہا نہیں جاتا۔ میں کتنی بدنصیب ہوں۔ کاش مجھے بھی موت آجائے۔ یہ کہتے ہوئے وہ بلک بلک کر رو پڑی بھولا اُسے دیر تک تسلی دلاسا دیتا رہا۔ پھر جب اس کی حالت سنبھلی تو بڑے اصرار سے اُسے دودھ پلایا اور خالی گلاس لے کر جانے لگا تو وہ بولی۔
بھولا کام کچھ نہیں ہے تو تھوڑی دیر یہاں بیٹھو نا۔
کام کچھ نہیں ہے بیٹی۔ مالک مالکن اور انجم بی بی سب ہی تو باہر گئے ہیں اُن سب کے آنے تک فرصت ہی فرصت ہے میں یہاں بیٹھتا ہوں۔ بھولا اس کے پلنگ سے لگ کر فرش پر بیٹھ گیا۔
بھولا۔ وحید بھیّا آئے تھے کیا؟
نہیں بیٹی اُن کے والد آئے تھے تعزیت کو کہتے تھے وحید میاں کسی کام سے پھر یوروپ گئے ہوئے ہیں۔
بھولا۔ دادی کو اچانک کیا ہو گیا۔ میں اسکول گئی تو وہ اچھی بھلی تھیں۔ آرام سے بستر پر بیٹھی قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھیں۔
تمہارے جانے کے تھوڑی دیر بعد صاحب ان کے کمرے میں گئے۔
پھر کچھ ہی دیر بعد میں نے ماں جی کے زور زور سے بولنے کی آواز

سنی۔ لگتا تھا غصے سے وہ غضب ناک ہوگئی ہیں۔ میں اتنے برسوں سے یہاں ہوں کبھی میں نے انہیں اس قدر زور سے گرجتے نہیں سنا۔ پھر صاحب کمرے سے نکل کر چلے گئے۔ میں اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔

بات کیا تھی جو دادی کو اتنا غصہ آ گیا۔

یہ تو میں نہی سمجھ سکا بیٹی۔

خیر۔ پھر کیا ہوا۔

بڑی دیر کے بعد میں ماں جی سے کھانے کے متعلق پوچھنے اندر گیا تو دیکھا وہ فرش پر اوندھی پڑی ہوئی ہیں۔ شاید کرسی سے اٹھتے ہوئے انہیں چکر آ گیا سنبھل نہ سکیں گر پڑیں۔ میری چیخیں سن کر سب دوڑ کر آئے بڑی مشکل سے ہم سب نے مل کر انہیں اُٹھایا اور بستر پر لٹا دیا۔ میں تو اس وقت سمجھ گیا کہ جسم بے جان ہے۔ صاحب ڈاکٹر کو فون کرنے بھاگے۔ دس منٹ کے اندر ڈاکٹر آ گیا اور معائنہ کر رہا تھا کہ تم بھی آ گئیں۔

دادی کی موت کی ذمہ دار میں ہوں۔ میری فکر نے انہیں مار دیا۔ ضرور میری خوشیوں کی خاطر وہ ابو سے لڑی ہوں گی۔ اف کتنی بُری قسمت لے کر پیدا ہوئی ہوں میں۔ اس کا جی بھر آیا وہ پھر رو پڑی۔

بیٹی۔ میں کہتا ہوں صبر کرو۔ حوصلہ سے کام لو۔ یوں کوئی اپنے ہوش و ہواس کھو بیٹھتا ہے میری مانو تو کل سے اسکول چلی جاؤ راستے میں عادل سے بھی مل لینا وہ بیچارہ دن میں کئی بار دیوانوں کی طرح حویلی کے چاروں طرف چکر کاٹتا رہتا ہے۔ تم سے ایک بار ملنے کو کتنا بیقرار ہے۔

بیقرار ہے تو آتا کیوں نہیں۔ ایک بار بھی تو نہیں آیا۔

آیا تو تھا۔ مگر صاحب نے اندر گھسنے نہیں دیا۔

کیا سچ کہتے ہو بھولا۔ وہ حیرت سے چلا پڑی۔

ہاں بیٹی بے چارہ بڑا مایوس ہو کر لوٹا۔ صاحب نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ آئندہ یہاں کبھی نہ آئے۔

دیکھا بھولا۔ دادی کی آنکھ بند ہوتے ہی پابندیاں لگ گئیں میں یہاں کیسے جیوؤں گی۔ اب میرا کوئی نہیں۔ کتنی غیر محفوظ ہوں میں یہاں۔

سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بیٹی۔ اللہ پر بھروسہ رکھو جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا مددگار اللہ ہوتا ہے۔ اٹھو غسل کر کے کپڑے بدل لو۔ کتنے میلے ہو رہے ہیں۔ آئینہ میں شکل تو دیکھو۔ برسوں کی بیمار لگ رہی ہو۔

تو کیا ہوا۔ یہاں کون بیٹھا ہے میری حالت پر ترس کھانے والا۔ اب تم جاؤ بھولا۔ مجھے تنہا چھوڑ دو۔ میں اب تنہائی چاہتی ہوں۔

کم نصیب بچی بھولا نے زیر لب کہا اور آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کر چلا گیا۔

(3)

دن بیتتے گئے۔ اس کا غم کم تو نہیں ہوا۔ ہاں شدت میں تھوڑی سی کمی ضرور آ گئی تھی۔ اب وہ وقت پر کھانے کیلئے برائے نام ہی سہی۔ سب کے ساتھ جا بیٹھتی سامنے والی کرسی پر دادی بیٹھا کرتی تھی۔ وہ کرسی خالی دیکھ کر اس کے حلق میں نوالہ پھنس جاتا آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر آتیں اور بمشکل تھوڑا سا کچھ زہر مار کر کے اپنے کمرے میں آ جاتی۔

بھولا ے بجبور کرنے سے ایک دن تیار ہو کر وہ اسکول جانے کے لئے گھر سے نکلی۔ پورے تین مہینے کے بعد وہ حویلی کی چار دیواری کے باہر کی فضا دیکھ رہی تھی۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا اُسے۔ غیر ارادی طور پر اس کے قدم اسکول کے بجائے پارک کی طرف اٹھنے لگے۔ راستے میں عادل مل گیا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ بے تاب ہو کر اس کی طرف بڑھی۔ مگر وہ پتھر بنا کھڑا اسے تک رہا تھا۔

ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔

شیبا۔ یہ تم نے اپنا کیا حال بنا لیا۔ کتنی دبلی ہو رہی ہو۔ چہرہ پیلا ہو رہا ہے۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑ گئے ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟

فکر نہ کرو عادل۔ وہ افسردگی سے مسکرا کر بولی۔ حال چاہے کیسا بھی ہو۔ مگر موت جلد آنے کی نہیں۔

ایسی باتیں نہیں کرتے۔ عادل نے جھڑک کر کہا۔ چلو پارک میں بیٹھیں گے تم وہیں جا رہی تھیں نا۔

ہاں۔ اُسنے جواب دیا دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ پارک میں پہنچ کر وہ ایک گھنے درخت کی چھاؤں میں اس کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

عادل بھی اس کے قریب بیٹھ گیا اور بولا شیبا! تمہارا یہ حال دیکھ کر میرے دل کی جو حالت ہو رہی ہے میں بیان نہیں کر سکتا۔ اپنے لئے نہ سہی۔ میرے لئے تمہیں جینا ہے اپنے سے اتنی لاپرواہی نہ برتو ___ میری خاطر وعدہ کرو۔ یہ کہتے ہوئے عادل نے اُس کا سرد ہاتھ تھام لیا تو وہ ضبط نہ کر سکی۔ خود پر قابو نہ رہا۔ عادل کے بازو سے چہرہ چھپائے رو پڑی۔ بڑی مشکل سے عادل نے اُسے چپ کرایا۔ آنسو پونچھے۔ تسلی دلاسا دیتا رہا۔ خود اس کی

آنکھیں نم ہو رہی تھیں مگر وہ انتہائی ضبط سے کام لے رہا تھا۔

عادل مجھے ڈر لگتا ہے۔ کہیں ابو ہمیں جدا نہ کر دیں۔ اب دادی نہیں ہیں وہ اپنی من مانی کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے مجھے کسی اور کے پلّے باندھ دیا تو یہ سوچ مجھے کھائے جا رہی ہے عادل۔

نہیں نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ عادل تڑپ کر بولا۔ تم میری ہو۔ ہم نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیا ہے۔ ماں جی نے یہ امانت مجھے سونپی ہے۔ میں اُسے کسی غیر کا نہ ہونے دوں گا۔

تم میرا ساتھ دو گے عادل۔

یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ میں جیتے جی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا شیبا۔ ماں کی وصیت مجھے یاد ہے۔ انہوں نے تمہیں میرے سپرد کرتے ہوئے کہا تھا۔ تمہارا ہمیشہ خیال رکھنا۔ تمہیں کوئی غم نہ آئے۔

بس اب مجھے کوئی فکر نہیں۔ ابو نے کوئی فیصلہ کیا تو میں اُس کی پابندی نہیں ہو سکتی۔ تمہارے بغیر میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی عادل۔ تمہاری ہونے کے لئے میں ہر طوفان سے نپٹ لوں گی۔

میں بھی ہر طرح تمہارا ساتھ دینے کے لئے موجود ہوں۔ مجھے پر یقین رکھو میں تمہیں اور کا ہوتا نہ دیکھ سکوں گا۔

اس فیصلے کے بعد بھی دونوں بڑی دیر تک وہیں بیٹھے دادی کی باتیں کرتے رہے دھوپ خاصی تیز ہو چکی تھی۔ عادل اٹھا اس کا ہاتھ تھام کر اُسے بھی اٹھایا اور بولا۔ اب گھر جاؤ کافی دیر ہو چکی ہے۔ کل بھی ملو گے نا عادل۔ تم سے باتیں کر کے آج میرا دل کتنا بہل گیا۔

ضرور۔ عادل نے کہا۔ میں کل اسکول کے پاس کہیں ملوں گا۔ تم فکر نہ کرو شیبا اپنے دل کو یوں اُداس نہ ہونے دو۔

کوشش کروں گی عادل۔ دادی کے بغیر اس حویلی میں مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ دم گھٹ جاتا ہے۔

حویلی میں تمہیں اب اور کتنے دن رہنا ہے۔ میں تمہیں اپنے پاس لے آؤں گا۔ تنہائیاں مجھے بھی بری طرح ڈس رہی ہیں۔ پھر بھی امید کے سہارے صبر کئے جی رہا ہوں۔

تم مرد ہو۔ عورت کے پہلو میں تو خدا نے بڑا کمزور دل رکھ دیا ہے جو سامنے دکھوں کے انبار دیکھ کر سہم جاتا ہے۔

میں جو ہوں تمہارے ساتھ پربت سا۔ کس مرض کی دوا ہوں۔ شیبا تیرے لئے میں بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکرا جاؤں گا۔ تم بھی ہمت سے کام لو۔

میرے عادل۔ اس نے اطمینان کی ایک لمبی سانس لیتے ہوئے کہا اور اپنا سر عادل کے سینے پر رکھ دیا___ عادل نے بھی شدت جذبات سے مغلوب ہو کر پہلی بار اُسے اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ اُسی لمحے اس نے محسوس کیا وہ انتہائی محفوظ ترین مقام پر پہنچ گئی ہے۔ لبا سے کسی کا ڈر نہیں۔ وہ اپنے مالک کی بانہوں میں تھی۔ عادل اُس کے جسم و جان، روح اور دل ہر شے کا مالک جو تھا اُس دن کے بعد وہ ہر روز عادل سے ملنے لگی۔ اسکول سے جب وہ باہر نکلتی تو دروازے پر عادل موجود رہتا۔ دونوں پارک کے اس گھنے درخت کی چھاؤں میں جا بیٹھتے دیر تک باتیں کرنے کے بعد واپس لوٹتے حویلی کے

پھاٹک پر اُسے چھوڑ کر عادل چلا جاتا۔
ایک دن وہ عادل کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی حویلی کے پھاٹک پر پہنچی ہی تھی کہ ابو کی کار پھاٹک سے باہر نکلی۔ ابو کے اشارے پر ڈرائیور نے کار روک دی۔ ابو گاڑی سے اتر کر آئے۔ شیبا تم اندر جاؤ لہجہ تناؤ بھرا تھا۔ وہ سہمی ہوئی چپ چاپ اندر چلی گئی اور اپنے بستر پر گر کر دیر تک روتی رہی۔ بعد میں بھولا سے معلوم ہوا کہ ابو نے عادل سے کہہ دیا کہ وہ آئندہ اس سے نہ ملے۔ وہ اپنی بیٹی کا ہاتھ اس جیسے مفلس کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے یہ رشتہ نہیں ہوسکتا۔ اس لئے بیکار کی ان ملاقاتوں سے شیبا کی بدنامی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ عادل چپ چاپ کھڑا مسکراتا رہا اور ابو کے جانے کے بعد وہ بھی چلا گیا۔

اب کیا ہوگا بھولا۔

کچھ نہیں ہوگا بیٹی۔ تمہیں تھوڑی سی ہمت سے کام لینا ہے۔ یہ سارا کیا دھرا اُس شاہ صاحب کا ہے۔ وہی ہمارے صاحب کو بھڑکاتے رہتے ہیں۔

میں کیا کرسکوں گی بھولا۔

کسی اور سے تمہاری شادی کی بات چلے تو صاف انکار کردینا۔

اگر انہوں نے مجھ سے پوچھے بغیر فیصلہ کرلیا تو......

میں جو یہاں پھرتا رہتا ہوں تمہارا جاسوس بن کر۔ بھولا نے ہنس کر کہا۔

اُف! بھولا کتنے اچھے ہو تم۔ اس حویلی میں تم نہ ہوتے تو نہ جانے میرا کیا حال ہوتا__ اللہ سب کے حال کی خبر رکھنے والا ہے بیٹی۔ میں ماں جی کا

نمک خوار ہوں مجھ یتیم کو انہوں نے پالا تھا۔ میں ان کا حد سے زیادا احسان مند ہوں اس لئے ان کے فیصلہ اور خواہش کے خلاف شاہ صاحب کی نہ چلنے دوں گا۔ وہ فیصلہ کن لہجہ میں کہہ رہا تھا۔ میں جانتا ہوں شاہ صاحب نے بزنس کرتے کرتے یہ مشاط کا پیشہ کیوں اپنایا ہے بڑا فائدہ ہے اس میں میاں جی کا۔

کیا فائدہ۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

روپوں کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ ہمارے صاحب کا چار لاکھ روپیہ لگ کر بھی ابھی اور دو لاکھ کی ضرورت ہے۔

تو کیا ان کے لئے وہ مجھے بیچ دیں گے۔ اس نے بے چین ہو کر پوچھا۔ میرے دو لاکھ کون دے گا۔ میں تو خوبصورت نہیں ہوں۔

کون کہتا ہے میری شیبا۔ بیٹی خوبصورت نہیں ہے یہ کہو صرف رنگ گورا نہیں ہے انجم بیٹی سے بھی تم پرکشش ہو۔ غور سے کبھی آئینہ میں اپنے آپ کو دیکھا ہے تم نے بچپن سے یہ بات بٹھالی ہے کہ میں خوبصورت نہیں ہوں۔

صورت کی باتیں رہنے دو بھولا ___ یہ بتاؤ انہوں نے سوچا کیا ہے۔

کسی بہت بڑے رئیس کا پیغام لائے ہیں شاہ صاحب تمہارے لئے۔ انجم بیٹی کی سالگرہ میں وہ آئے تھے۔ تمہیں دیکھا تم بہت پسند آ گئی ہو۔ اب وہ تمہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ شادی ہو جانے سے بڑے فائدے ہیں لاکھوں روپیہ کا بنک بیلنس ہے ان کا سمجھ گئی نا۔

ہاں۔ مگر یہ نہ ہوگا۔

میں کب چاہتا ہوں کہ یہ ہو۔ دیکھا جائے گا تم کچھ فکر نہ کرو بیٹی۔

سب ٹھیک ہو جائے گی۔ بہت سا کام پڑا ہوا ہے۔ میں جانتا ہوں۔

بھولا چلا گیا وہ اپنی سوچوں میں کھوئی پڑی رہی۔ دوسرے ہی دن اس کا اسکول جانا بند کر دیا گیا۔ اب وہ حویلی سے باہر قدم نہیں نکال سکتی تھی۔ قیدی جسے یہ معلوم نہ تھا قید کی مدت کب ختم ہو گی۔ رہائی کب ملے گی۔ بے بس مجبور آٹھوں پہر آنسو بہا بہا کر دن کاٹ رہی تھی کہ ایک دن ابو اس کے کمرے میں آئے۔

شیبا___ جی ابو۔ میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں تمہاری نسبت ہم سیٹھ الطاف سے ٹھہرا چکے ہیں۔ شادی بھی اسی مہینے کی تیس تاریخ کو ہو گی۔ سوچا تو یہی تھا کہ تمہاری اور انجم کی شادی ایک دن ہو جائے مگر تمہاری حرکتوں کو دیکھتے ہوئے اب دیر کرنا مناسب نہیں۔ میری اس شہر میں بڑی عزت ہے تم میری عزت کو نیلام کرنے پر تلی نظر آ رہی ہو۔

اُن کی تقریر ختم ہونے تک وہ خاموش رہی۔ پھر بولی۔ ابو۔ دادی میری نسبت ٹھہرا چکی ہیں میں ان کے فیصلے کی پابند ہوں ان کی خواہش کا مجھے احترام ہے۔

بڑھاپے کی وجہ سے ماں جی کا دماغ سٹھیا گیا تھا میں ان کے غلط فیصلے کا پابند نہیں ہو سکتا۔

آپ نہیں ہو سکتے مگر میں تو ہوں۔ اس لئے آپ کا فیصلہ مجھے منظور نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا ابو۔

یہ ہو گا۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ دعوت نامے تک بانٹے جا چکے ہیں تو عین وقت پر مجھے خبر دینے کی ضرورت آپ نے

کیسے محسوس کی۔اپنے پالتو جانور جب بیچے جاتے ہیں تو ان سے پوچھا نہیں جاتا۔آپ کے لئے میں ایک پالتو جانور ہی تو ہوں۔

شیبا۔تم بہت گستاخ ہوگئی ہوابو غصے میں آگئے اور گرج کر بولے تمہارا بھلا برا سوچنے کا مجھے حق حاصل ہے تمہیں میرے فیصلے کا پابند ہونا ہے ورنہ......

ورنہ کیا۔ابو انجام اچھا نہ ہوگا۔

اس نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ غصے میں بھرے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے۔وہ ہلتے ہوئے پردے کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

اُف کیا یہ میرا باپ ہے۔اس کے درد سے پھٹتے دل نے سوچا یا کوئی جلاد جیسے بھیڑ بکریوں کو ذبح کرتے ہوئے ان کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے اس بے زبان جانور پر کبھی رحم نہیں آتا۔

کیا کرے اس ظالم باپ کے لائے ہوئے اس زبردست طوفان سے ٹکر لے یا ایک مجبور اور بزدل ملاح کی طرح طوفان کا مقابلہ کرنے کی ہمت اپنے میں نہ پا کر کشتی کو لہروں کے حوالے کر دے۔نہیں نہیں عادل میرے ساتھ ہے دادی اور آپا کی دعائیں ساتھ ہیں۔میں بڑے سے بڑے طوفان کا مقابلہ کروں گی۔ان ظالم لوگوں کے ہونٹوں پر فتح مندی کی مسکراہٹ نہ آنے دوں گی۔سمجھا کیا ہے ان لوگوں نے۔میں انسان نہیں ہوں۔میرے سینے میں جیسے دل نہیں جذبات نہیں بھیڑ بکری کی طرح یہ جس کے حوالے کر دیں گے۔چپ چاپ اس کی ہو جاؤں گی۔باپ کے خلاف شدید نفرت کا احساس اس کی رگ رگ میں پھیلنے لگا۔

دن بھاگتے جا رہے تھے۔ گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ وہ دن قریب آ رہا تھا۔ جس دن اس کے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈالا جانے والا تھا اس کی حالت اس خونی مجرم کی سی تھی جو پھانسی کا حکم سننے کے بعد زندگی کے ایک ایک دن کو ختم ہوتے دیکھ کر سہما جا رہا ہو۔ امی اب دن میں کئی بار اس کے کمرے میں آتیں اور اس سے بڑے پیار کا اظہار کرتیں۔ انجم بھی فرصت کے اوقات آ بیٹھتی اور اسے خوب چھیڑتی۔

اب وہ کالی بھدی لڑکی نہیں تھی۔ جس سے کبھی شدت کی نفرت کا اظہار کیا جاتا تھا۔ وہ اس رویہ کی تبدیلی کو خوب سمجھتی تھی۔ یہ خاطر مدارت یہ پیار و محبت کس سے کی جا رہی ہے۔ کیا اس سے نہیں۔ اس کے دولت کے ڈھیر سے جس کی وہ بہت جلد مالک بننے والی تھی۔ ان کے خیال میں الطاف سیٹھ کی وہ محفل نما کوٹھی جس کی سجاوٹ کی انجم تعریفیں کرتی تھکتی نہ تھی۔ لگتا تھا ماں بیٹی دونوں کو اس کی اس خوش نصیبی پر رشک ہو رہا تھا اور وہ خود جس کی خوش نصیبی پر رشک کیا جا رہا تھا پتھر کے ساکت بُت کی طرح خاموش تھی اور رنگ بدلتی دنیا کے تماشے کو تماشائی کی طرح دیکھ رہی تھی۔

روز کی طرح انجم اور امی تیار ہو کر کلب چلی گئیں۔ ابو اور شاہ انکل بھی باہر چلے گئے تو بھولا اس کے کمرے میں آیا اور اس کے قریب آ کر سرگوشی کے انداز میں بولا میں نے صاحب سے گاؤں جانے کیلئے دو دن کی چھٹی لے لی ہے میں جا رہا ہوں۔

تم جا رہے ہو بھولا ـــــ یہ سنتے ہی وہ رو پڑی۔ میرا کیا ہوگا؟

تمہارے لئے ہی تو جا رہا ہوں۔ رات کے بارہ ایک کے درمیان

جب گھر کے سب لوگ سو جائیں تو تم اپنا بہت ضروری سامان ایک چھوٹے سے سوٹ کیس میں رکھ کر عادل کے ہاں چلی آنا۔ باقی سب کچھ میں کرلوں گا۔

مگر بھولا___ آدھی رات کے وقت میں اکیلی۔

بیٹی میں حویلی کے پھاٹک کے قریب تمہارا انتظار کروں گا۔ میرا پہلے سے چلا جانا بہت ضروری ہے۔ ورنہ یہ لوگ مجھ پر شک کریں گے۔ پھر میرا انجام بہت برا ہوگا۔

نہیں بھولا۔ میری وجہ سے تم پر کوئی آفت آنے پر میں برداشت نہیں کروں گی۔

آفت نہیں آئے گی۔ ان کے خیال میں تو میں اس وقت اپنے گاؤں میں پڑا سو رہا ہوں گا۔ بھولا یہ کہہ کر ہنس دیا اور چلا گیا۔

بھولا کے جانے کے بعد وہ اٹھی چھوٹا سا ایک سوٹ کیس لیکر اس میں نئے دو چار جوڑے کپڑوں کے رکھے۔ اتنے میں اسے دادی کی تجوری کا خیال آیا۔ کنجی اس کے پاس تھی کھول کر دیکھا تو نوٹوں کا وہ بنڈل مل گیا جس کا دادی نے ذکر کیا تھا۔ اس نے وہ بنڈل اٹھا لیا اور سوٹ کیس میں رکھ لیا۔ اپنے زیورات کا چھوٹا سا بکس بھی اٹھا لیا دادی کے زیوارت کا بڑا سا بکس تجوری میں پڑا تھا مگر اس نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا۔ دادی کے مال پر حق ابو کا تھا۔ وہ ان کا حق اپنے ساتھ کیوں لے جاتی۔ اسے جوں کا توں رہنے دیا اور تجوری بند کر کے کنجی اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دی۔

اب تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ سوٹ کیس اس نے الماری کے پیچھے چھپا

دیا اور دھڑ کتے دل سے رات کا انتظار کرنے لگی۔

وقت کی ڈوری اس کے دل کی خوف زدہ دھڑکنوں کے ساتھ کٹتی جا رہی تھی۔

رات وہ کھانے کی میز پر سب کے ساتھ جا بیٹھی تو اسے بھوک بالکل نہیں تھی ہر نوالہ اس کے حلق میں بری طرح پھنس رہا تھا جسے وہ پانی کی مدد سے اتار رہی تھی۔ ابو کسی گہرے سوچ میں سر جھکائے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ شاہ انکل بار بار اس کی طرف دیکھتے اور مسکراتے رہے۔ شاید اپنی فتح کی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

امی بڑے ہی نمائشی پیار کے ساتھ اسے کھلانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ اُسے کم کھاتے دیکھ کر بولیں۔ بیٹی تمہاری بھوک کیوں بند ہوگئی ہے کچھ بھی نہیں کھا رہی ہو تم۔

شام کی چائے کے ساتھ ناشتہ زیادہ کھا لیا تھا۔ اسی سے اب تک بھوک نہیں اس نے جواب دیا اور اٹھ گئی۔ ہاتھ دھو کر دادی کے کمرے میں آ گئی ان کی ایک ایک چیز کو اٹھا کر آنکھوں سے لگایا۔ پیار کیا اور اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ پھر وہ ان کے پلنگ پر لیٹ گئی ___ اگر آج دادی زندہ ہوتیں تو اسے یوں رات کے اندھیرے میں حویلی سے نہ بھاگنا پڑتا۔ کتنی شان سے وہ رخصت کی جاتی۔ یہ سوچتے ہی ان کا جی بھر آیا اور وہ تکیہ میں منہ چھپا کر خوب روئی۔ اتنا کہ اس کا دل بوجھ سے خالی ہو کر ہلکا پھلکا لگنے لگا۔

ڈرائنگ روم کے گھڑیال نے بارہ بجائے تو وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ سب سونے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ ادھر اُدھر دیکھا کوئی نہیں

تھا۔ اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے سے سوٹ کیس اٹھا لائی اور سانس روکے دبے پاؤں چلتی ہوئی بیرونی دروازے تک پہنچ گئی۔ پوری احتیاط سے دروازہ کھولا۔ باہر نکل کر دروازہ بند کرلیا۔ پھر وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی بڑے پھاٹک تک جا پہنچی۔ وہاں بڑا سا تالہ لگا ہوا تھا اور کنجی تھی چوکیدار کے پاس۔ چند لمحے وہ کھڑی غور کرتی رہی کتاب کیا کرے تب اُسے خیال آیا۔ بچپن میں وہ اس مضبوط پھاٹک کے اوپر چڑھ جاتی تھی اور پھر دھم سے ریت پر کود پڑتی یہ اس کا دلچسپ کھیل تھا۔ اب تو وہ اس حویلی سے ہمیشہ کیلئے جارہی ہے۔ اچھا ہے جو آخری بار یہ ایک کھیل بھی ہوجائے۔ یہ سوچ کر وہ پھاٹک کی سلاخوں پر پیر جماتی ہوئی اوپر چڑھ گئی۔ پہلے سوٹ کیس اس طرف ڈال دیا پھر خود بھی اس طرف کود پڑی۔ دوسری طرف ریت نہیں پتھریلی زمین تھی سخت چوٹ لگی مگر اس وقت اسے چوٹ کی پرواہ نہیں تھی۔ جب جان پر بنی ہو تو معمولی چوٹ کی کیا اہمیت۔

اٹھی۔ سوٹ کیس ہاتھ میں لیا اور خوف زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتی ہوئی آگے چل دی۔

لاؤ بیٹی۔ سوٹ کیس میں لے لیتا ہوں۔ بھولا نے اچانک سامنے آکر کہا۔ تو وہ چونک پڑی۔

تم کہاں تھے بھولا؟ میں نے چاروں طرف دیکھا مگر تم نظر نہیں آئے۔

میں ادھر جھاڑیوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ پھاٹک پر سے کودتے ہوئے خاصی چوٹ لگی ہوگی۔ درد ہو رہا ہے کیا۔

کچھ ایسا زیادہ نہیں۔ ہم کہاں جائیں گے بھولا۔ میرے گاؤں میں۔
میں نے سب تیاری مکمل کرلی ہے۔ اطمینان رکھو۔

عادل کے مکان کے دروازے پر ٹیکسی موجود تھی۔ عادل دروازے پر کھڑا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ تینوں سوار ہو گئے۔

آدھی رات کا وقت تھا۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ ٹیکسی پوری رفتار سے شہر کی سڑکوں کو پار کرتی ہوئی صبح ہونے سے پہلے گاؤں پہنچ گئی۔ بھولا نے ان دونوں کو ڈاک بنگلے میں ٹھہرایا اور خود اپنے گھر جانے لگا تو وہ بولی۔ نہیں بھولا۔ ہم یہاں نہیں رہیں گے تمہارے گھر چلتے ہیں۔

کاش بھولا کا گھر اس قابل ہوتا۔ چھوٹا سا گھاس پھوس کا جھونپڑا ہے بیٹی تم وہاں ایک لمحہ کیلئے بھی نہ ٹھہر سکو گے۔ تم دونوں آرام کرو۔ میں صبح ہوتے ہی آجاؤں گا۔ بھولا چلا گیا۔ کمرے میں وہ اور عادل تنہا رہ گئے تو عادل نے کہا شیبا تم بہت تھکی ہوئی لگتی تھی سو جاؤ۔ میں باہر بیٹھتا ہوں۔

نہیں مجھے ڈر لگتا ہے۔

پگلی ہو۔ ڈر کیسا۔ عادل نے مسکرا کر پوچھا۔

تم باہر بیٹھو گے تو میں......

اچھا میں یہیں بیٹھا رہوں گا۔ تم سو جاؤ۔

نئی جگہ ہے، وہ بھی ویران کھنڈر سی، کیسے سو جائیں۔ کوئی چور گھس آیا تو......کونسا خزانہ ہے ہمارے پاس جو چور لے جائے گا۔

عادل نے مسکرا کر پوچھا۔

میرے سوٹ کیس میں روپے بھی ہیں اور زیورات بھی۔

اسی لئے تو ڈر لگتا ہے۔

روپے اور زیورات کیوں لے آئیں تم وہاں سے۔

عادل نے ناراض ہو کر پوچھا۔

وہ جواب نہ دے سکی۔ سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔

سوچا ہوگا مفلس کے ساتھ بھاگ رہی ہوں۔ کہیں وہ بھوکا نہ مار دے۔ عادل کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

ایسا کیوں سوچتے ہو عادل۔ وہ تڑپ کر بولی۔ روپیہ میری امّی کا ہے اور زیورات میرے ہیں۔ ان کی کسی چیز کو میں نے ہاتھ نہیں لگایا۔ دادی کے بہت سے زیورات پڑے تھے تجوری میں ان کی یادگار کے طور پر ایک انگوٹھی میں نے اس میں سے نہیں لی اُسے ابو کا حق سمجھ کر چھوڑ دیا۔

میں صرف تمہیں حاصل کرنا چاہتا تھا شیبا۔ میرے پاس دولت ہے نہ جائداد میں اپنے بازو کی کمائی سے تمہارے لئے خوشیاں اور آسائش مہیا کرنے کا عزم کئے ہوئے تھا۔

وہی تو کرنا ہے عادل۔ میرے پاس جو یہ معمولی سی رقم ہے اس سے پوری زندگی تو بسر نہ ہوگی۔

شیبا۔ ایک بات پوچھوں۔

پوچھو۔ تم نے جو قدم اٹھایا ہے زندگی میں کبھی اس پچھتاؤ گی تو نہیں۔

تمہیں پا کر میں پچھاؤں گی عادل۔ کیا کیا سوچتے ہو تم۔ اس نے مسکرا کر کہا اور بستر پر لیٹ گئی۔ عادل تم بھی لیٹ جاؤ۔

عادل نے بھی اپنا بیڈ کھینچ کر کمرے کے دوسرے کونے میں کر لیا اور

لیٹ گیا۔ سوٹ کیس اس نے اپنے سرہانے رکھ دیا۔
دونوں ہی تھکے ہوئے تھے۔ آنکھوں کو کھول رکھنے کی کوشش میں ہی دنیا سے بے خبر ہو کر سو گئے۔
صبح بڑی دیر سے آنکھ کھلی۔ بھولا کب سے باہر کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ عادل نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو وہ اندر گیا اور بولا ٹھیک دس بجے مولوی صاحب آجائیں گے آٹھ بج چکے ہیں۔ جلدی سے ناشتہ کر کے نہا دھو کر تیار ہو جاؤ۔
بھولا کی بات سنتے ہی وہ شرما کر پیٹھ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔
میری شیبا کو دولہن کون بنائے گا۔ بھولا۔ جوڑا تو میں لایا ہوں مگر جوڑا امّی نے بہت پہلے بڑے ارمان سے تیار کرا رکھا تھا۔
بیٹے۔ تم ان باتوں کی فکر نہ کرو۔ اپنے کپڑے لو اور دوسرے کمرے میں چلے جاؤ۔ بٹیا کو تیار کرنے والیاں آرہی ہیں اور سچ مچ گاؤں کی ان بھولی شوخ اور چنچل لڑکیوں نے اسے اتنے پیار سے سجا سنوار کر دولہن بنایا جیسے وہ کوئی غیر نہیں۔ ان کی اپنی کوئی ہو اور وہ خود بھی یہی محسوس کر رہی تھی کہ وہ کسی انجانی جگہ نہیں بلکہ اپنوں کے یہاں ہے۔
ٹھیک دس بجے نکاح کی مقدس رسم ادا ہوئی عادل اور وہ زندگی بھر کے لئے ایک دوسرے کے بنا دیئے گئے۔ مہمانوں کی بھولا نے شہر سے لائی ہوئی مٹھائی سے تواضع کی۔ ہر ایک کو اس نے ٹھونس ٹھونس کر مٹھائی کھلائی وہ ایسا خوش ہو رہا تھا جیسے اس کی اپنی بیٹی کا بیاہ ہوا ہو۔
مہمان جا چکے تو بھولا اس کے پاس آیا اور بولا۔ بیٹی۔ میں نے یہاں سب سے یہی کہا ہے کہ تم میری بیٹی ہو۔ میں اس سفید جھوٹ کیلئے شرمندہ

ہوں۔تم ایک بڑے باپ کی بیٹی ہو۔میں غریب ملازم ہوتے ہوئے یہاں سب کے سامنے تمہارا باپ بن بیٹھا مجھے معاف کر دینا بیٹے۔مجبوری تھی جو ایسا کہنا پڑا۔

میری نظروں میں تم باپ سے بھی بڑھ کر ہو بھولا۔ہم زندگی بھر تمہارا یہ احسان یاد رکھیں گے۔وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

ایسا کیا۔بھولا کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔اللہ پاک یہ شادی تم دونوں کے لئے مبارک کرے۔بھولا نے ہم دونوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی اور سر جھکائے ہوئے باہر چلا گیا تو عادل مسکراتا ہوا اس کے قریب آیا۔وہ شرما کر سمٹ گئی۔

اجی۔اب ہم سے اتنا کیا شرمانا۔کوئی اجنبی تو نہیں ہیں پہچان بہت گہری ہے۔عادل نے تھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور بولا مسکراؤ۔وہ مسکرادی۔

بس زندگی بھر ہونٹوں پر یہ پیار بھری مسکراہٹ ہی دیکھتا رہوں۔تم نے ایک غریب کو زندگی کا ساتھی چنا ہے۔اس لئے زندگی میں کبھی کوئی کمی بھی آجائے تو وعدہ کرو۔اداس نہ ہوگی۔

وہ جواب میں ایک لفظ نہ کہہ سکی چپکے سے اٹھی اور جھک کر اپنے مجازی خدا کے پیروں کو چھولیا۔

عادل نے فوراً پیر کھینچ لئے اور کندھے سے پکڑ کر اُسے اٹھاتے ہوئے کہا۔تم میری روح،میری زندگی،میرا ارمان ہو شیبا۔تمہاری جگہ قدموں میں نہیں۔میرے دل میں ہے اور پھر وہ اپنے زندگی بھر کے ساتھی کے سینے سے

لگ گئی۔ کتنا سکون و قرار محسوس ہوا تھا اس لمحے۔ اس نے کبھی نہ سوچا تھا کہ زندگی میں اتنا سکون بھی ہوتا ہے۔

اسی دن شام کی گاڑی سے اپنے وطن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر دونوں مدراس آ گئے۔ کئی دن ہوٹل میں رہنا پڑا۔ بڑی تلاش کے بعد شہر کے آباد علاقے میں ایک سہولیت کا کشادہ مکان مل گیا۔ خوش قسمتی سے مکان کے سامنے والے حصے میں دو خالی دکانیں بھی تھیں۔ بیس ہزار میں سودا طے ہوا۔ اُسے خرید کر وہیں رہائش اختیار کر لی۔ ایک دکان عادل نے شیبا ٹیکسٹائل کے نام سے کپڑوں کا بیوپار شروع کیا۔ دوسری میں اس نے اپنی ٹیلرنگ ہاؤس کھول دیا۔ سال بھر کے اندر دونوں کا بزنس امید سے زیادہ کامیاب رہا۔ ہوتے ہوتے عادل کی دکان سے زیادہ اس کے ٹیلرنگ ہاؤس پر کام کا رش زیادہ رہنے لگا۔ اس نے دو چار مشینیں اور خرید لیں۔ ملازم بھی رکھ لئے۔ پھر بھی عادل کو اپنا کام چھوڑ کر ادھر آ کر اس کا ہاتھ بٹانا پڑتا۔ اس کا ٹیلرنگ ہاؤس شہر میں خاصہ مشہور ہو چکا تھا۔

دن مزے سے بیتتے جا رہے تھے۔ دونوں اپنی نئی زندگی سے مطمئن تھے خوشیوں اور کامرانیوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔ پھر خدا نے ان کی خوشیوں میں اور اضافہ کر دیا۔ شان جیسی ننھی سی پیاری گڑیا دے کر۔ اب عادل کو دونوں دکانوں کا کام سنبھالنا پڑ رہا تھا۔ وہ بچی کی وجہ سے زیادہ تر گھر میں رہنے لگی۔ خوشیوں اور کامرانیوں کے سات سال بیت گئے۔ اسکی زندگی

ہر طرح پر بہار تھی۔

چاہنے والا جان نچھاور کرنے والا محبوب شوہر اور گڑیا سی خوبصورت شان زندگی کی خوشیوں کے وہ مزے لوٹ رہی تھی۔ ان دنوں یوں بھی زندگی ہر ایک کی کتنی پرسکون تھی۔ کسی چیز کی قلت نہ تھی۔ کمانے والے لاتعداد ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب کر پسے نہ جاتے تھے۔ معقول ٹیکس تھا۔ جسے ہر کوئی خوشی خوشی پوری ایمانداری سے ادا کر دیتا تھا۔ قناعت کا دامن آج کی طرح ہاتھوں سے چھوٹا نہ جاتا تھا۔ ذہنی انتشار سے امیر غریب، متوسط طبقہ کے لوگ سب ہی محفوظ تھے۔ کتنے پرسکون تھے وہ دن۔

دونوں کا مستقبل خاصہ پرامید تھا۔ ایک دوسرے کے پیار میں ڈوبے خلوص و تعاون کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے کہ ان کی پرسکون زندگی کو آندھی اور طوفان نے گھیر لیا۔

دکان کیلئے مال لینا تھا۔ عادل صبح سے گیا ہوا تھا۔ دوپہر ہوگئی مگر واپس نہیں لوٹا۔ وہ بڑی بے چینی سے دکان پر بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی کہ عادل کا دوست منیر جو دکان سے ہمیشہ کپڑے لیا کرتا تھا۔ بھاگا ہوا آیا اور بولا۔ عادل صاحب کا ٹرک سے ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ وہ ہسپتال میں ہیں۔ اتفاق کی بات ہے جو میں اس راستے سے گزر رہا تھا۔ میں نے ہی دوسرے لوگوں کی مدد سے انہیں ہسپتال پہنچا کر آپ کو خبر دینے......

ایکسیڈنٹ کی بات سنتے ہی وہ اپنے ہوش کھو بیٹھی۔ منیر اور کیا کیا کہتا وہاں اس کے کان بند ہوگئے تھے۔ وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ بت بنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے صرف اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

منیر نے ٹیکسی بلائی اور اُسے بٹھا کر ہسپتال لے آیا وہ بے جان لاش کی طرح اس کے ساتھ چلی آئی۔ اسے یہ بھی ہوش نہ تھا کہ شان اسکول سے آ کر اُسے نہ دیکھے گی۔ تو کتنا روئے گی۔ عادل بستر پر بے ہوش پڑا تھا۔ سر پر پیاں بندھی تھیں۔ عادل کی یہ حالت دیکھ کر وہ کئی لمحہ ساکت کھڑی رہی پھر بے اختیار رو پڑی۔ ڈاکٹر بھلا آدمی تھا۔ اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ گھبراؤ نہیں۔ زخم معمولی ہیں۔ یہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے لیکن......

لیکن کیا......اس نے گھبرا کر پوچھا۔

ایک ٹانگ کٹ چکی ہے۔

کیا۔ وہ تڑپ کر چیخی۔

ڈاکٹر انتہائی ہمدردی کی نظر سے اُسے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ عادل کے پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور اس کے سینے پر اپنا منہ رکھ کر بے اختیار رونے لگی۔ خدا سے دعا مانگئے۔ آپ یوں حوصلہ ہار بیٹھیں گی تو کیسے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے عادل اچھے ہو جائیں گے۔ منیر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ تو وہ چونک پڑی۔ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اوپر اٹھا اور بولی منیر بھائی۔ آئی ابھی تک کھڑے ہیں۔ بڑی مہربان آپ کی۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گی۔

احسان کیا۔ کیا دوست دوست کے کام نہ آئے۔ میں ہر وقت یہاں موجود ہوں گا۔ جس چیز کی بھی ضرورت ہو مجھ سے بلا تکلف کہئے گا۔

شکریہ بھیا۔ وہ احسان مند ہو کر بولی۔ منیر صبح کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

وقت گزرتا گیا۔ رات کا ایک بجا تھا۔ وہ عادل کے پاس بیٹھی تھی

اچانک اس کے کراہنے کی آواز سن کر جھک کر اسے پکارا۔ عادل ہوش میں آ چکا تھا مگر نقاہت کی وجہ سے بات نہ کر سکتا تھا۔ وہ صبح ہونے تک اسی طرح بیٹھی ہراساں نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔ صبح منیر آیا تو اسے بٹھا کر گھر گئی اور شان کو بھی اپنے ساتھ ہسپتال لے آئی۔ رات بھر ماں سے جدا رہنے کی وجہ سے بچی رو رو کر بے حال ہو چکی تھی۔ پڑوسن نے اسے بہلانے کی بڑی کوشش کی مگر وہ ماں کے لئے مچلی رہی۔ دن بیتتے گئے۔ دکان نوکروں کے حوالے چل رہی تھی۔ منیر آجاتا تو اسے بٹھا کر وہ تھوڑی دیر کیلئے دکان پر ہو آتی۔

عادل کو ہسپتال میں داخل ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا تھا اور اب وہ بالکل ٹھیک تھا۔ اس حادثہ نے اسے ایک ٹانگ سے محروم کر دیا تھا۔ وہ حد سے زیادہ اُداس اور دل برداشتہ ہو چکا تھا۔ انتہائی ضبط سے کام لینے کے باوجود آنکھیں ہر وقت ڈبڈبائی رہتیں۔ وہ ان آنسوؤں کو پی جانے کی کوشش میں ناکام رہ جاتا۔ درد و کرب کی زیادتی سے دھندلائی ہوئی آنکھیں اور چہرے سے جھلکتا ہوا غم دیکھ کر وہ کانپ اٹھتی۔ اس کا عادل اتنا اداس ہے وہ اسی کے لئے کچھ نہیں کر سکتی۔ اس کا بس چلتا تو وہ اپنی ٹانگ عادل کو دیتیں مگر یہ صرف سوچنے کی بات تھی کرنا تو اس کے بس میں نہ تھا۔

اُس نے کبھی کاتب تقدیر سے اپنے دکھوں کا گلہ نہیں کیا تھا۔ مگر اب اسے اپنی تقدیر سے بڑی شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ کیا مل گیا کاتب تقدیر کو۔ اس کی خوشی سے جھومتی زندگی کو اس طرح پھر سے دکھی بنا کر کتنے دکھ جھیلنے کے بعد اُس نے خوشی کا منہ دیکھا تھا۔ اب آگے کیا ہوگا۔ کیسے کیسے دکھ جھیلے ہیں۔ ایسے ہی پریشان خیالات نے دماغ پر یلغار کر رکھی تھی۔

اس نے عادل کی طرف نگاہ اٹھائی۔ وہ اداس بنا دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ وہ تڑپ کر اٹھی۔ دل میں طوفان اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لئے پاس جا کر بڑے پیار سے بولی۔ اتنے اداس نہ رہا کیجئے عادل۔ میں تمہیں اداس نہیں دیکھ سکتی۔ تمہاری مسکراہٹوں کے سوا مجھے دنیا میں اور کچھ نہیں چاہیئے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ زندگی بچ گئی۔

ایسی اپاہج زندگی لیکر میں تمہیں کیا سکھ دے سکوں گا شیبا۔ یہی سوچ مجھے کھائے جا رہی ہے۔

تمہارے پیار کے سوا مجھے اور کوئی سکھ نہیں چاہیئے۔ زندگی میں مجھے تم کبھی اداس نہ دیکھو گے عادل۔ تم ہمیشہ یہی چاہتے ہو نا کہ میں خوش رہوں میں ہمیشہ خوش اور مسکراتی رہوں گی۔ تمہاری ایک ٹانگ سے زیادہ مجھے تمہاری زندگی پیاری ہے۔ تم بچ گئے۔ مجھے سب کچھ مل گیا۔ اف میں کتنا سہمی ہوئی تھی۔ یہ سوچ کر کہ تم مجھے دنیا کے منجدھار میں اکیلی چھوڑ کر جانے کی تیاری کر رہے ہو۔ عادل تم میری خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ مجھے ایسا لگتا ہے میں نے تمہیں کھو کر پایا ہے۔ اس نے پیار میں ڈوب کر اپنا سر عادل کے سینے پر رکھ دیا۔ تو عادل نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ تم خوش رہو گی تو میں بھی خوش رہوں گا۔ وعدہ رہا۔

مگر یہ وعدہ صرف اسے مطمئن کرنے کیلئے تھا۔ اپنی محرومی کا احساس دن بدن اس کے دل میں اندر ہی اندر شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا۔ اس کی صحت آہستہ آہستہ گرنے لگی اور چند سالوں کے بعد وہ صرف بستر کا ہو کر رہ گیا۔

عادل کے کھانسنے کی آواز سن کر وہ چونک کر اٹھ بیٹھی۔صبح ہو چکی تھی اس رات بھی وہ سو نہ سکی۔ماضی کی دنیا میں بھٹک کر واپس لوٹی تو اجالا پھیل رہا تھا۔

شیبا تم اتنی جلدی اٹھ گئیں۔عادل کی کھانسی تھی تو اس نے پوچھا۔
بس نیند پوری ہو گئی۔اس نے جماہی لیتے ہوئے اٹھ کر کہا۔کھانسی کی دوا پیو گے۔

دیدو۔اس دوا کی وجہ سے راتبھر کھانسی نہیں اٹھی۔بڑی اچھی دوا ہے۔

خدا کا شکر ہے کسی کی دوا کی تم نے تعریف تو کی۔اس نے عادل کو دوا پلاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔تم ہی سوچو کتنے برسوں سے دوا پی رہا ہوں۔پھر بھی اچھا ہونے کی بجائے بستر سے لگا جا رہا ہوں___ عادل نے آہ بھر کر کہا۔
یہ دوا کا قصور نہیں ہے۔ڈاکٹر کہتا ہے تمہارے دل میں بیکار کی سوچیں اور پریشانیاں بھری ہوئی ہیں۔اُسی سے دوا اپنا اثر نہیں دکھاتی۔
یہ تو صحیح بات ہے۔عادل نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔
کیوں سوچتے ہو۔میری اتنی محنت پر پانی پھیرتے ہوئے تمہیں ذرا رحم نہیں آتا اگر ایسا ہی رہا تو تمہیں صحت مند دیکھنے کا میرا ارمان کبھی پورا نہ ہوگا۔
پگلی۔سوچیں بھی کہیں اپنے بس کی ہوتی ہیں۔تنہا پڑا رہتا ہوں تو چلی آتی ہیں میں کیا کروں اسی لئے تو اتنی کتابیں لا کر رکھتی ہوں۔پڑھا کرو۔ختم ہو جائیں گے تو اور نئی لے آؤں گی۔

اچھا۔ اچھا۔ جیسا تم کہو گی ویسا ہی کروں گا۔ حلق سوکھ رہا ہے۔ ایک پیالی چائے مل جائے تو۔

ابھی بنا کر لاتی ہوں۔ وہ چائے بنانے چلی گئی۔

عادل کو چائے ناشتہ دینے کے بعد وہ باہر والے کمرے میں آ کر صوفے پر لیٹ گئی۔ دماغ پر پریشانیوں کا بوجھ تھا اور آنکھوں میں دو رات کی نیند اس کا سر بوجھل ہو رہا تھا۔ طبیعت اتنی زیادہ خراب لگ رہی تھی کہ وہ دکان پر جانے کا تصور ہی نہ کر سکی۔ تھوڑی دیر سونے کے خیال سے یہاں آ کر لیٹی تھی مگر دماغ پر پھر سے خیالات نے یلغار کر رکھی تھی۔ سکون ملتا تو نیند بھی آتی۔ وہ بے چینی سے بار بار کروٹیں بدل رہی تھی اور نہ جانے کیا کیا سوچ رہی تھی۔

شان ماں سے کچھ پوچھنے کے لئے آئی تھی مگر ماں کو بے چین دیکھ کر سرہانے کھڑی ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو چپ چاپ دیکھتی رہ گئی۔ اسے اپنی ماں کی حالت دیکھ کر بڑا دکھ ہو رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی میری امی کبھی اس طرح بے چین نظر نہیں آتی تھیں میرے خیال نے انہیں کتنا بے چین کر رکھا ہے۔ امی سمجھتی کیوں نہیں۔ ان کی بیٹی ان کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہے۔ ایسے ہی امی میرے متعلق سوچ سوچ کر پریشان رہیں تو وہ بھی بیمار ہو کر ابو کے برابر دوسرا بستر سنبھال لیں گی۔ امّی کی صحت اور زندگی سب باتوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ اعجاز کے خیال کو دھیرے دھیرے بھلا کر دل کو سکون پذیر کیا جا سکتا ہے۔ ماں کو کھو کر وہ اس کا نعم البدل اس دنیا میں کہاں سے پائے گی۔

امی۔ بالآخر اس نے دھیرے سے ماں کو آواز دی۔

کیا ہے بیٹی۔

امی وہ ماں کے پہلو میں آ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ بہت پریشان نظر آ رہی ہیں آپ اتنی فکر نہ کیجئے امّی جو ہوا اسے بھول جایئے۔

کیسے بھول جاؤں میری بچی۔ وہ گلوگیر آواز میں بولیں۔ یہ تم دونوں کی زندگی کا معاملہ ہے جو میری وجہ سے بگڑا ہے۔

آپ کی وجہ سے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

ہاں۔ میں اگر گھر سے بھاگی ہوئی نہ ہوتی تو تم میری بچی چاند کا ٹکڑا ہوتے ہوئے یوں ٹھکرائی نہ جاتی۔

مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہے امی۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے خوشی ہوئی ہے۔ اب میں آگے پڑھ سکوں گی۔ وکالت پاس کر سکوں گی۔ یہ میری دیرینہ آرزو ہے امّی۔

مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو میری جان۔ میں سب سمجھتی ہوں زندگی کی تلخیوں نے تجربہ کا ایک وسیع اثاثہ مجھے بخشا ہے۔

نہیں امّی۔ میں آپ کو بہلا نہیں رہی۔ واقعی سچ کہہ رہی ہوں مجھے پڑھنے کا بڑا شوق ہے۔

تمہیں پڑھنے کا شوق ہے تو پڑھو۔ جتنا چاہے میں منع نہیں کروں گی۔ آئندہ تمہاری مستقبل کی راہ میں کبھی رکاوٹ نہیں بنوں گی۔ مگر یہ بھی اچھی طرح سے جانتی ہوں محبت دنیا کا وہ عظیم ترین جذبہ ہے جسے بھلایا نہیں جا سکتا۔ عورت صرف ایک بار محبت کرتی ہے بار بار نہیں۔ میں ماں ہوں تیرے دل کا درد سمجھتی ہوں مگر کچھ نہیں کر سکتی کاش میں تیری محبت کو کامیاب

بنانے کی قدرت رکھتی۔ یہ کہتے ہوئے شبانہ کی آواز گلوگیر ہوگئی۔ اچانک بے بسی

پر اسے رونا آ رہا تھا۔

میں اپنا پورا دھیان پڑھائی میں لگا کر سب کچھ بھول جاؤں گی۔ آپ

میری طرف سے بے فکر ہو جائیں امی۔ شان ماں کو تسلی دیتے ہوئے بولی۔

خدا تمہیں خوش رکھے بیٹی۔ شبانہ نے آب بھر کر دعا دی۔ پھر کچھ سوچ

کر بولی۔ میری چاند تو کتنی اچھی ہے۔ میرا خیال تھا۔ ان کی باتیں سننے کے

بعد تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گی۔ میں آپ سے نفرت کروں گی امی۔ آپ کو تو

میں دنیا کی مقدس ترین مخلوق سمجھتی ہوں۔

تو ان کی باتوں کا تم نے کوئی اثر نہیں لیا۔ شبانہ نے تعجب سے پوچھا۔

نہیں امّی۔ بلکہ مجھے تو ان پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ میں انتہائی ضبط سے

کام لے رہی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا میری امی کی توہین کرنے والے کو اسی وقت

گیٹ آؤٹ کر دوں۔

میری بچی۔ شبانہ نے اپنی بچی کو کھینچ کر اپنے سینے سے بھینچ لیا۔ اور بے

اختیار چومنا شروع کر دیا۔

امّی رسوئی میں کام پڑا ہوا ہے۔ دیکھ آؤں جا کر۔

نہیں۔ آج کوئی کام نہیں ہے خاص۔ دناری کرے گی۔ تمہیں آج

کالج تو نہیں جانا۔ چھٹی ہے نا۔ یہاں بیٹھو میرے پاس میں تمہیں اپنی ماضی کی

کہانی سناؤں گی۔ اپنے دکھی دل کا درد آج تمہیں سنا کر ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔

سنائیے امی۔ وہ ہمہ تن گوش ہو بیٹھی۔ اپنے والدین کے ماضی کے

بارے میں اُسے کچھ نہیں معلوم تھا۔ ان کے ماضی کے متعلق سب کچھ جاننے کا

اُسے بڑا اشتیاق تھا۔ کبھی کبھی باتوں باتوں میں کچھ ذکر چھیڑتی۔ تو ماں فوراً بات کا رخ بدل دیتی تھی۔ آج وہ خود سب کچھ سنانا چاہتی ہیں۔ تو وہ بڑے شوق سے سننے کو تیار ہو بیٹھی۔

شبانہ نے اپنی زندگی کی کہانی کہنی شروع کی۔ اول سے آخر تک پوری کہانی سنا ڈالی۔

طویل اور دردناک کہانی کو سن کر شان پتھر بنی بیٹھی رہی جب کہانی ختم ہوئی تو اس نے پوچھا۔ امّی۔ دادی کی کوئی تصویر نہیں ہے آپ کے پاس۔ اللہ کتنی اچھی تھیں آپ کی دادی۔

نہیں بیٹی ان کی کوئی تصویر نہیں ہے۔ شبانہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔ مدت ہوگئی کبھی خواب میں بھی ان کی پیاری صورت نظر نہیں آئی۔ کون جانے وہ بھی مجھ سے ناراض ہوں۔ میں نے ان کے خاندان کی عزت پر بٹہ جو لگا دیا۔

ایسا نہ کہئے امّی۔ آپ نے وہی کیا جو کرنا چاہئے تھا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتیں تو مجھے آپ کی بزدلی پر افسوس ہوتا۔ اب تو میں اپنے کو انتہائی خوش نصیب سمجھتی ہوں جو آپ جیسی پیاری نیک اور باہمت ماں کی بیٹی ہوں۔

تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں نے جو کچھ کیا اچھا تو ضرور کیا۔ مگر اب سوچتی ہوں میں نے اپنی خوشیوں کے لئے زندگی کی جو راہ نکالی تھی اس نے میری بچی کے ارمانوں کو کچل کر رکھ دیا۔

امّی! میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ آپ سے نفرت کرنے والوں سے میں کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتی۔ میں ان کی انگوٹھی بھی واپس کردوں گی۔

نہیں بیٹی۔ انگوٹھی واپس نہ کرنا۔ کسی کا دیا ہوا تحفہ کبھی واپس نہ کرنا چاہئے۔ وہ تم دونوں کی محبت کی یادگار ہے اُسے سنبھال کر رکھنا۔

اُسے بھلانے کے لئے انگوٹھی واپس کرنا ضروری ہے۔ اس کی یادگار اپنے پاس رکھ کر میں اُسے کبھی نہ بھول پاؤں گی۔ یہ کہتے ہوئے شان کا گلا رندھ گیا۔

واپس دے کر بھی تم اُسے نہ بھول سکو گی۔ جو دل میں بستا ہے اُسے دل سے نکال دینا کیا تم آسان سمجھتی ہو۔

پھر میں کیا کروں امّی۔ شان نے بے بسی سے پوچھا۔

فی الحال یہ کوشش کرو کہ تمہارا دھیان صرف پڑھائی میں لگا رہے۔ امتحان بہت قریب ہے۔ امتحان کی تیاری میں لگ جاؤ۔ آگے جو اللہ کی مرضی۔ شبانہ نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

عادل نے شان کو آواز دی۔ وہ اٹھ کر چلی گئی۔

شبانہ نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں۔ دل کو تھوڑا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

15

باپ کا فیصلہ سننے کے بعد اعجاز کی جو حالت تھی ماں کی ماری ماں بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر موت کی سی زردی اور بڑی بڑی آنکھوں میں قبرستان کی سی ویرانی دیکھ کر ممتا کی تپش سے اس کے سینے میں جلن سی ہو رہی تھی۔ بار بار وہ صرف یہی سوچتی رہی کہ

کاش میں اپنے بچے کی خواہش پوری کرنے کی قدرت رکھتی۔ اس کی زندگی کی جلو میں خوشیوں اور مسرتوں کے پھول سے بھر سکتی کاش۔ کاش۔

بے رحم اشفاق سے اس سلسلے میں اب کوئی بات کرنا بیکار تھا۔ ان کا فیصلہ ہمیشہ اٹل اور بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ اس پتھر سے سر پھوڑنا لاحاصل تھا۔ سوچ سوچ کر فوزیہ کا دماغ سن ہو رہا تھا مگر اس کے مسئلہ کا حل نہیں مل رہا تھا۔ مامتا کے تڑپتے جذبوں نے اسے بے قرار کر رکھا تھا۔ اعجاز نے رات کو کھانا نہیں کھایا۔ صبح ناشتہ کی میز پر بھی وہ نہ آیا تو وہ بھی بغیر کچھ کھائے پیئے اٹھ گئی۔ نوکر کو ناشتہ اعجاز کے کمرے میں لانے کا حکم دے کر وہ بیٹے کے پاس اس کے کمرے میں آ گئی۔

اعجاز کو کہیں جانے کی تیاری کرتے دیکھ کر مامتا تڑپ گئی۔ اعجاز میرے بچے کہاں جا رہے ہو۔ اس نے تھرتھرائی آواز میں پوچھا۔

اعجاز سر جھکائے کھڑا سوٹ کیس میں اپنے کپڑے اور اپنی ضرورت کی دوسری چیزیں ٹھونس رہا تھا۔ وہ نیم دیوانگی کے عالم میں تھا۔ بال بکھر کر پیشانی پر آ گئے تھے۔ رنج و غم سے چہرہ زرد اور کمزور نظر آ رہا تھا۔

ماں کی رنج و غم میں ڈوبی آواز سن کر اس نے سر اٹھایا۔ اور جواب میں کہا۔ میں جا رہا ہوں امی۔ اس کوٹھی کے مالک کا ظلم دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے دوسرے کے جذبات واحساسات ان کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ بس اپنے حکم کی تعمیل ہو۔ یہ ظلم ہے امی۔ میری دنیا چاہے لٹ جائے برباد ہو جائے۔ انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں میرا اب اس شاندار کوٹھی کے چھتوں تلے گذارہ نہ ہوگا۔ دم گھٹا جا رہا ہے یہاں اعجاز کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

اعجاز میرے بیٹے تم صرف اپنے لئے سوچتے ہو۔تم چلے جاؤ گے تو پھر یہاں میرا کون ہے۔تمہیں دیکھ دیکھ کر تو میں یہاں جی رہی ہوں۔

آپ کو بھی یہاں نہ رہنے دوں گا امّی۔حالات سازگار ہوتے ہی آ کر آپ کو لے جاؤں گا۔

بیٹے۔میں سوچتی ہوں ایک بار اوران سے بات کر دیکھوں شاید......

کچھ حاصل نہ ہوگا امی۔وہ خود پرست انسان ہیں۔دوسروں کی بات ماننا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ان کے جبر وتشدد سے آپ اچھی طرح آگاہ ہیں۔ انہیں صرف اپنے دوست کی خوشنودی عزیز ہے۔میری اور آپ کی خوشی کی انہیں کوئی پرواہ نہیں۔سمجھتے ہوں گے یہ دو مجبور و بے بس ہستیاں تو ان کی ملکیت ہیں۔ہر بے انصافی کو چپ چاپ برداشت کر جائیں گے۔نہ کریں گے تو جائیں گے کہاں۔میں انہیں اور زیادہ اس خوش فہمی میں نہ رہنے دوں گا۔اپنی روزی خود کمانے کی اہلیت رکھتا ہوں۔

ملازم ناشتہ لے آیا اور میز پر سجا کر چلا گیا۔ناشتہ کرلو بیٹے کل رات سے تم نے کچھ نہیں کھایا۔آپ نے ناشتہ کرلیا۔

تم بھوکے رہو اور میں کھالوں۔تو کیا سمجھتا ہے۔باپ کی طرح ماں کا دل بھی پتھر ہوگیا۔مجھے تو بھوک نہیں تھی امی۔

میں جانتی ہوں۔اولاد کے دل کا درد ماں کے دل کو بھی بے چین کر دیتا ہے تیری طرح میری بھی بھوک بند ہو چکی ہے۔مگر زندہ رہنا ہے اس لئے بھوک نہ سہنے پر بھی تھوڑا کچھ کھانا ہی پڑتا ہے۔کھالو بیٹے۔

آپ بھی کھائیں گی نا میرے ساتھ۔

ہاں تم کھاؤ گے تو میں بھی کھالوں گی۔

ماں بیٹے نے مل کر ناشتہ کیا۔ ملازم خالی برتن لے کر چلا گیا۔ تو اعجاز نے کہا۔ اب اجازت دیجئے امی۔

تو تم نے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

ہاں۔ امی اب اس کے کوئی چارہ نہیں۔ یہاں رہوں گا تو گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گا۔ بہت پہلے میں بھاگ گیا ہوتا۔ مگر آپ کے خیال سے اپنی تجویز کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اب سہا نہیں جاتا۔ آپ میری خوشی چاہتی ہیں تو مجھے جانے دیں۔

میں تیری ماں ہوں۔ ماں ہمیشہ اولاد کی خوشی کے لئے سب کچھ سہہ جاتی ہے۔ تمہاری خوشی یہی ہے۔ تو میں تمہاری جدائی بھی سہہ لوں گی۔ فوزیہ نے ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

اعجاز نے جھک کر ماں کے پیر چھوئے اور چلا گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بیٹے کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو اس کے بستر پر گر پڑی۔ اس کا دل پکے پھوڑے کی طرح درد دے رہا تھا۔ اس ساری مصیبت کی وہ اکیلی ذمہ دار تھی۔ اعجاز اور شان کو قبل از وقت اس قدر قریب نہ ہونے دیتی تو یہ مصیبت بھی نہ آتی۔ اب وہ شیبا کے سامنے کیا منہ لے کر جا سکتی تھی۔ کتنی دور اندیش اور سمجھدار ہے شیبا۔ کاش میں پہلے ہی اس کی بات مان لیتی۔ تو آج بیٹے کی جدائی کا غم اور شرم وندامت کا بوجھ میرے سینے پر نہ ہوتا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ سوچے جا رہی تھی۔ سجی سجائی یہ شاندار کوٹھی اسے جہنم دکھائی دے رہی تھی۔ ہر طرف بھڑکتے ہوئے شعلے سے

نظر آرہے تھے۔ اس جہنم میں اس کا وجود جل جل کر راکھ ہو رہا تھا۔

بی بی جی۔ ملازم نے آواز دی تو وہ جلدی سے آنسو پونچھ کر اٹھ بیٹھی۔

کیا ہے۔

چھوٹے صاحب کہاں ہے۔ سرکار انہیں اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔

اعجاز کہیں باہر گیا ہے کیا۔ اُسے دیکھتے ہی اشفاق صاحب نے پوچھا۔

ہاں۔ ہمیشہ کے لئے۔

کیا بکتی ہو۔ وہ گرجے۔

ایسی گرج کو سن کر وہ ہمیشہ سہم جایا کرتی تھی۔ مگر آج وہ نڈر بن کر سامنے کھڑی تھی۔ بکنا کیسا۔ وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔

اچھا تو اس معمولی لڑکی کو حاصل کرنے کا جنون اس حد کو چھو گیا ہے۔

آپ کے لئے وہ معمولی لڑکی ہو گی۔ مگر اعجاز کی وہ زندگی تھی اس کے بغیر وہ...... جی نہیں سکے گا۔ ہوں۔ تو بات یہاں تک بڑھ چکی ہے اشفاق صاحب کی پیشانی پر کئی بل پڑ گئے۔ فوزیہ خاموش کھڑی تھی اس کی آنکھوں میں رُکے ہوئے آنسو دھار بن کر بہنے لگے۔

تم رو رہی ہو۔ انہوں نے گرج کر پوچھا۔

کیا رونا بھی منع ہے۔ میرا بچہ گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ میرا دل پتھر کا نہیں ہے۔ جو اکلوتے بچے کو کھو کر بھی نہ پگھلے۔

کیا میں نے اسے گھر سے نکالا ہے۔ خود سری بڑھ گئی۔ ایک لڑکی کی

خاطر اُسے ماں باپ کی پرواہ نہیں ہے۔ اچھا ہی ہوا جو دفع ہوگیا۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ آپ کو نہیں مجھے تو ہے۔ میں ماں ہوں۔ وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

تو جاؤ اس کے پیر پکڑ کر لے آؤ۔

میرے جانے سے وہ نہیں آئے گا۔ وہ بے بسی سے بولی۔

نہیں آئے گا تو مرے کہیں جا کر۔ چاہتی کیا ہو تم۔ ان کی آواز میں شیر کی سی چنگھاڑ تھی۔ فوزیہ ایک بار سر سے پاؤں تک کانپ گئی۔ مگر آج اس کے اندر بلا کی ہمت آ گئی تھی نہ اس چنگھاڑ سے ڈر کر ہمیشہ کی طرح کمرے سے جانے کے بجائے دل کو مضبوط کر کے وہیں کھڑی رہی۔ اور بولی۔ اولاد کے لئے والدین کیا کچھ نہیں کر گزرتے۔ آپ بھی اگر تھوڑی سی............

بند کرو بکواس۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ بیٹے کے آگے مجھے جھکانا چاہتی ہو۔ یہ ناممکن ہے۔ میں اس کا باپ ہو۔ میرے حکم کی تعمیل کرنا اس کا فرض تھا۔ نا ہنجار۔ نا خلف اولاد کی وکیل بن کر آئی ہو۔

آپ کچھ بھی کہیں میرا ایک ہی بچہ ہے۔ میں اس کے بغیر کیسے جیوں گی۔

مت جیؤ۔ اس کے لئے رو رو کر مر جاؤ۔ مگر میں اس کے پیر پکڑنے نہیں جا سکتا۔

فوزیہ ان کے قدموں پر جھک گئی۔ اور گڑ گڑا کر بولی۔

میں آپ کے پیر پکڑتی ہوں۔ مان جائیے۔ اپنے بچے کی زندگی بچا لیجئے۔ اندھے فیصلے ہمیشہ تباہی لاتے ہیں۔ ہمارا ایک ہی تو بچہ ہے۔ اس کی

زندگی سنوارنے کے لئے آپ یہ ضد چھوڑ دیجئے۔ فوزیہ کی اس حرکت سے ان کا دل ذرا پگھل گیا۔ قدرے نرمی سے بولے۔ فوزیہ میں یہ نہیں کرسکتا۔ مجبوری ہے۔ بات کی نرمی سے فوزیہ کا مایوس دل کامیابی کی امید سے بھر گیا۔ شاید اس کے آنسوؤں نے پتھر کو پگھلا دیا ہے یہ سوچ کر اس نے پر امید لہجہ میں پوچھا۔ اکلوتی اولاد کی خوشی کے لئے آپ چاہیں تو کیا نہیں کر سکتے۔ آپ کو کیسی مجبوری، مجبور و بے بس تو میں ہوں۔ مجبوری ہے جب ہی تو ضد پر اڑا ہوں۔ اس نے شیبا کی لڑکی کے بجائے کسی بھکارن کی لڑکی کو بھی پسند کیا ہوتا تو میں ہر گز انکار نہ کرتا۔

کیا شیبا ایک بھکارن سے بھی بدتر ہے۔ فوزیہ نے پوچھا۔

ہاں۔ وہ گھر سے بھاگی ہوئی ہے۔ اس نے باپ کی عزت کو نیلام کر دیا۔ شوکت اس کا نام بھی سننے کے روادار نہیں ہیں۔ شیطان سے بھی بڑھ کر وہ اپنی اس بدکردار لڑکی سے نفرت کرتے ہیں۔

وہ نفرت کرتے ہیں۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ آپ بھی اس سے اتنی ہی نفرت کریں اولاد تک کو اس نفرت کی بھینٹ چڑھا دیں۔

ہاں۔ بے شک شوکت میرا دوست ہی نہیں۔ بہت بڑا محسن بھی ہے۔ میری یہ ساری شان اس کی بدولت ہے۔ میں اسے ناراض نہیں کرسکتا۔ جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔ اس سے میں رشتہ قائم نہیں کرسکتا۔ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ تم اعجاز سے مل کر اسے سمجھاؤ آنا ہے تو آجائے۔ میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔ اس کا قصور معاف کر دوں گا۔

تو آپ ...... فوزیہ نے پھر کہنا چاہا۔ لیکن اشفاق صاحب نے بگڑ کر

ٹوک دیا۔ بحث نہ کرو میرا فیصلہ اٹل ہے۔

امید پھر مایوسی میں بدل گئی۔ فوزیہ دل پر مایوسی کا بوجھ لئے کمرے سے باہر آ گئی۔

(17)

شان کالج سے باہر نکلی تو گیٹ سے ذرا دور ہٹ کر فٹ پاتھ پر اعجاز کھڑا تھا وہ بڑا افسردہ اور مغموم دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور بے چارگی کی جھلک اتنی نمایاں تھی کہ شان بیقرار ہو گئی۔ اور اس کے قریب جا کر پوچھا۔ اعجاز کیا ہوا ایسے کیوں کھڑے ہو۔ طبیعت تو اچھی ہے نا۔

شانو۔ میرے ساتھ چلو ذرا مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔

گاڑی نہیں ہے آپ کی۔

گاڑی میری کہاں تھی۔ جس کی تھی اس کے گیرج میں پڑی ہے۔

میں نہیں سمجھی کچھ۔

اعجاز چپ تھا۔ دونوں چلتے ہوئے کالج سے کافی دور آ گئے۔ تو شان نے پوچھا۔ اعجاز کچھ کہئے نا۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے آپ نے۔

حالت کیسی میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ اعجاز نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

نہیں ایسی افسردگی میں نے آپ کے چہرے پر پہلے کبھی نہیں دیکھی۔

شانو۔ میں نے گھر چھوڑ دیا۔ وہاں رہ کر میں تمہیں اپنا نہیں سکتا۔

ہائے اللہ۔ یہ آپ نے کیا کر لیا۔ شان نے پریشان ہو کر کہا۔ میں

تمہارے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بڑوں کی ضد نے مجھے تم سے جدا کر دیا تو میں جی نہیں سکوں گا۔

ایسا نہ کہیے۔ اتنی معمولی سی بات کے لئے۔

شانو۔ یہ معمولی سی بات نہیں۔ میری پوری زندگی کا معاملہ ہے کیا تمہارے لئے یہ معمولی بات ہے اگر چاہو تو مجھے بھلا بھی سکتی ہو۔ کہو شان۔ جواب دو۔ ہم دونوں کے بیچ جدائی کی بات آپڑی۔ مگر تم نے کوئی اثر نہیں لیا۔ اعجاز نے کچھ اس طرح کٹے ہوئے انداز میں کہا۔ کہ شان ضبط نہ کر سکی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ میرے دل پر جو گذر رہی تھی گذر چکی۔ میں نے سوچ لیا ہے۔ آپ کی نہ ہو سکی تو پھر زندگی میں کسی اور کو اپنا ساتھی نہ بناؤں گی۔ بس اس سے آگے مجھے کچھ کہنے پر مجبور نہ کرو۔ ہم بے بس ہیں۔ ہمیں اپنے بڑوں کے حکم کا پابند رہنا ہے۔

کوئی ضروری نہیں۔ اعجاز نے کہا۔ بڑے ڈکٹیٹر بن جائیں صرف اپنی ہی چلائیں اپنی ہی بات منوانے پر زور دیتے رہیں۔ تو کیا ہم اپنی زندگی کی تمام خوشیوں سے دستبردار ہو کر سعادت مندی کا ثبوت پیش کریں۔ مطلب کیا ہے تمہارا۔

اعجاز آپ نے میرے لئے گھر چھوڑا ہے نا۔

ہاں۔ میں تو امی کے حکم اور فیصلہ کی پابند ہوں۔ ان کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گی۔

میں کب کہہ رہا ہوں۔ میں ان سے مل کر تمہارا ہاتھ طلب کروں گا۔ وہ سبھی تم نہیں ہیں۔ جو ہماری خوشیوں کے بیچ دیوار بن جائیں۔

مگر میں اب بھی یہی کہوں گی کہ آپ نے شفیق باپ کی شفقتوں کے سایہ سے محروم ہو کر اچھا نہیں کیا۔ زندگی کے ساتھی کے روپ میں مجھ سے بھی اچھی ساتھی کوئی پا سکتے ہیں آپ۔ مگر والدین کی شفقتیں کہاں پائیں گے۔

کن شفقتوں کا ذکر کر رہی ہو تم۔ وہاں دولت کی ریل پیل کے سوا شفقت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں ان کی شفقتوں کے سائے سے پہلے بھی محروم ہی تھا۔ ہاں اب عیش و آرام کی زندگی سے بھی محروم ضرور ہو گیا ہوں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ ایم۔ اے پاس ہوں۔ اپنی روزی خود کمانے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ میرے بازو اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ اپنی اور تمہاری زندگی کا بار آسانی سے سہہ سکوں گا۔ مجھے تم سے ایک وعدہ لینا تھا۔

کیسا وعدہ۔

میں فی الحال ایک دوست کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ ملازمت کی تلاش میں ہوں۔ امید ہے جلد ہی ملازمت بھی مل جائے گی۔ ایک اچھا سا مکان بھی تلاش کر لوں گا۔ پھر تمہاری امی کے پاس سوالی بن کر آؤں گا۔

شان نے سر جھکا لیا۔

میرے حالات سازگار ہونے تک انتظار کرو گی نا۔

جس نے پوری زندگی انتظار کی سوچ رکھی ہو۔ اس سے آپ کا یہ سوال ..... شان نے افسردگی سے کہا۔

تمہارے سوچنے سے کیا ہوتا ہے ڈرتا ہوں تمہاری امی کہیں اور ......

نہیں نہیں۔ میری امی زندگی کے اس اہم معاملہ میں زبردستی کی قائل نہیں ہیں۔

آیا تھا۔ تم سے انتظار کا وعدہ لینے آیا تھا۔

بس اب میں چلتا ہوں۔ تم سے انتظار کا وعدہ لینے آیا تھا۔
اعجاز۔ گھر چھوڑتے وقت آپ کو اپنی امی کا خیال نہیں۔ جانے اس وقت ان کے دل پر کیا بیت رہی ہوگی۔

کچھ دنوں کی بات ہے۔ اعجاز نے آہ بھر کر کہا۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں پھر امی کو بھی وہاں نہ رہنے دوں گا۔ اپنے پاس لے آؤں گا۔ اچھا خدا حافظ۔

اعجاز چلا گیا۔ وہ اپنے گھر آ گئی۔

امی۔ دکان پر نہیں گئیں آپ۔ اس نے کتابیں میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

گئی تھی۔ کام کچھ زیادہ نہیں تھا۔ اس لئے چلی آئی۔

امی!

کہو۔

وہ ماں کے پاس بیٹھ گئی۔ اور بولی۔ اعجاز نے گھر چھوڑ دیا۔ آج کل اپنے کسی دوست کے ہاں رہتے ہیں۔ ملازمت کی تلاش میں ہیں۔

کیا۔ شبانہ نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں۔ امی۔ ابھی ملے تھے۔

کیا کہہ رہا تھا۔

ملازمت ملنے کے بعد وہ آپ سے ملنے آئیں گے۔ یہ کہتے ہوئے وہ شرما گئی۔

بیٹی کے چہرے پر تازگی اور شگفتگی دیکھ کر شبانہ زیر لب مسکرا دی۔ کچھ

دن پہلے اسے بھلا دینے کے دعوے تھے۔ مگر آج اس سے مل کر سارے دعوے دھرے رہ گئے۔

اور ادھر اعجاز محبت میں اتنا آگے بڑھ گیا کہ والدین۔ جاہ وحشمت۔ عیش وآرام سب کچھ چھوڑ دیا۔ اور ملازمت کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگا۔ اپنی بیٹی کے لئے اس کے دل میں اتنے سچے اور پر عزم جذبات ہیں کہ وہ اس کے حصول کے لئے اپنے عیش وآرام کو ٹھوکر مار کر چلا گیا۔ محبت کی اس حیرت انگیز کشش کے متعلق سوچ کر وہ حیران ہو رہی تھی۔ ماں کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر شان اٹھ کر چائے پینے چلی گئی۔ اس کی مایوس آنکھوں میں امید کی چمک آ گئی۔ ماں کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر وہ پر امید تھی کہ ماں اعجاز کو انکار نہیں کریں گی۔ کل تک کتنی مایوس تھی وہ۔ آج امید کے دیئے روشن تھے لگتا تھا اس کے مستقبل کی راہوں پر اچانک کسی نے پھول بکھیر دیئے ہوں۔

17

بیٹے کے چلے جانے سے فوزیہ پریشان، نڈھال اور مضمحل رہنے لگی۔ اس کی بھوک بند ہو گئی۔ کسی کام میں اس کا جی نہ لگتا تھا۔ بس بے سدھ سی دن رات بستر پر پڑی رہتی تھی۔ مالکن کی بے توجہی کی وجہ سے ملازم بھی غافل ہو گئے۔ کوئی کام وقت پر نہ ہوتا۔ اشفاق صاحب کو وقت پر ہر چیز تیار ملتی تھی۔ اب ایک ایک چیز کے لئے انہیں چیخنا پڑتا تھا۔ کھانے کی میز پر آتے تو وہاں بھی ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی چیز مزیدار نہیں بن رہی تھی۔ وہ چڑنے غصے اور بے دلی سے تھوڑا کچھ کھا کر اٹھ جاتے۔

تھے۔ بیٹے کے چلے جانے کا غم انہیں بھی تھا۔ آخر وہ اس کے باپ تھے۔ دل میں محبت بھی تھی مگر وہ بہت پرانے زمانے کے اصول کو اپنائے ہوئے تھے۔ کھلاؤ سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نظر سے۔ وہ اپنے اس اصول پر سختی سے پابند تھے۔ بیوی اور بیٹا دونوں کو سر پر چڑھانے کے وہ قائل نہ تھے۔ یہ دوسری بات تھی کہ ان کے دل میں دونوں کے لئے مضطرب تھے۔ مگر جھکنے اور اپنی ضد چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔

کئی دنوں سے فوزیہ نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اکیلے میز پر بیٹھتے۔ بے دلی سے تھوڑا سا کھانا کھا کر اٹھ جاتے۔ ملازم سے انہیں معلوم ہوا کہ فوزیہ نے کھانا پینا بہت کم کر دیا ہے۔ وہ بے چین ہو اٹھے۔ اسے منانے کے خیال سے اس کے پاس پہنچے اور بولے۔ یہ بھوک ہڑتال کیسی ہے۔ بھئی یوں بے موت مرنے کی نہ سوچو۔ کوئی مرے یا جئے آپ کی بلا سے۔ میں تو زندگی سے تنگ آ چکی ہوں۔ اتنے عیش و آرام کے باوجود زندگی سے تنگ آ گئی ہو۔ تو جن کی زندگی میں دکھ ہی دکھ بھرے ہیں وہ خودکشی کیوں نہیں کر لیتے۔

کوئی کرے یا نہ کرے۔ میں تو وہی کرنے کی سوچ رہی ہوں۔ اب اس طرح گھٹ گھٹ کر نہیں جی سکتی۔ گھٹن کیسی میں تمہیں کیسی تکلیف دے رہا ہوں۔

نہیں یہاں۔ آپ کیا تکلیف دیں گے۔ آپ نے میرے عیش و آرام کے لئے کیا نہیں کیا میں ہی احسان فراموش ہوں جو آپ کی قدر نہیں جانتی۔

بیوی کے اس طنز کو سمجھ کر اشفاق صاحب مسکرا دیئے۔ اور بولے۔ فوزی تم اعجاز کی اتنی فکر نہ کرو۔ وہ جائے گا کہاں۔ بھٹک بھٹک کر خود ہی آ جائیگا۔

آپ کا۔ بیٹا کس کا ہے۔

کچھ رقم ساتھ لے گیا تھا کہ ایسے ہی خالی ہاتھ چلا گیا۔

مجھے نہیں معلوم۔ مجھ سے تو کچھ نہیں لیا۔ فوزیہ نے بے رخی سے جواب دیا۔

میری عدم موجودگی میں بلا کر سمجھانے کی کوشش کرو۔ مان جائے گا۔

میں جانتی ہوں۔ وہ نہیں مانے گا۔

تو میں بھی اس کی اس بے جا ضد کے آگے نہیں جھک سکتا۔ آپ کو کون کہتا ہے جھکنے کو۔ میں نے تو اپنے لب سی رکھے ہیں۔ آپ ہی بے کار چھیڑ رہے ہیں۔

اشفاق صاحب نے پھر کچھ نہیں کہا۔ برہمی کے عالم میں اٹھ کر باہر چلے گئے۔ تو فوزیہ بڑبڑائی۔ بیوی مرجائے۔ بیٹا جائے جہنم میں۔ خود دوست کی پوجا ہی کرتے رہیں گے۔ خدا کسی کا پالا ایسے ظالم سے نہ ڈالے۔

(۱۶)

شبانہ اپنے ٹیلرنگ ہاؤس پر اپنے کام میں مشغول تھی۔ دیوالی قریب ہونے کی وجہ سے دکان پر کام کا رش زیادہ تھا۔ کٹنگ کا بہت سا کام پڑا ہوا تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑی اپنے کام میں مشغول تھی۔

شیبا باجی آپ۔ایک حیرت انگیز چیخ سی سنائی دی۔آواز جانی پہچانی تھی۔اس نے سر اٹھا کر دیکھا سامنے انجم کھڑی تھی۔

چھی۔چھی ___ شیبا باجی! یہ آپ نے کیسا دھندہ شروع کر رکھا ہے۔

کیا ہوا۔دھندہ برا ہے کیا۔اس نے مسکرا کر پوچھا۔

لوگوں کے کپڑے سی کر اپنا گذارہ کر رہی ہو باجی۔انجم بڑے ہی ناگوار لہجہ میں بولی۔

تو کیا ہوا کمائی حلال ہے۔بڑے بڑے رئیس تو آج کل روپیہ کمانے کی دھن میں ائیر کنڈیشن حجامت خانہ کھول بیٹھے ہیں۔اس سے تو برا نہیں میرا پیشہ۔یہ کہتے ہوئے شبانہ ہنس دی۔آؤ بیٹھو۔اس نے کرسی پیش کرتے ہوئے کہا۔

مجھے معلوم نہیں تھا یہ ٹیلرنگ ہاؤس تمہارا ہے۔آٹھ دن پہلے کپڑے سینے کے لئے دے گئی تھی آج لینے آئی تھی۔انجم کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

مدراس کب آئی تھی۔

ہو گئے دس بارہ روز۔شاہ انکل کے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

ابو کیسے ہیں۔

تم کیوں پوچھتی ہو۔تم نے انہیں کہیں کا نہ رکھا۔مگر اب وہ تمہیں کبھی کبھی یاد کرتے رہتے ہیں۔

مجھے یاد کرتے ہیں ابو۔شبانہ کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔کیا انہوں نے مجھے معاف کر دیا۔

ایسا ہی لگتا ہے۔ گاؤں والے بنگلہ میں بیمار پڑے ہیں۔ نوکروں کے سوا ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں۔ شاید تیمارداری کے لئے تمہیں یاد کرتے ہوں۔ انجم نے مسکرا کر کہا۔ تم کیوں نہیں کرتیں تیمارداری ان کی۔

میں کیا کروں۔ گاؤں میں مجھ سے رہا نہیں جاتا۔ شہر آنے پر وہ رضا مند نہیں ہوتے۔

وحید بھیا بھی ہوں گے ساتھ۔ کیا ان سے نہ ملاؤ گی۔

شبانہ نے اشتیاق سے پوچھا۔ وحید بھیا کی یاد اکثر اس کے دل میں سسکیاں لیتی رہتی تھی۔

نہیں نہیں۔ شیبا باجی ان سے مت ملنا تم۔ انجم گھبرا کر جلدی سے بولی۔

کیوں ــــــ شبانہ نے حیرت سے پوچھا۔

وہ دل میں کیا سوچیں گے۔ میری بہن درزی خانہ کھولے بیٹھی ہے۔ یہ میرے لئے شرم کی بات ہے۔ شیبا باجی۔ تم ابو کے پاس گاؤں چلی جاؤ۔ انہوں نے اپنی شہر والی تمام جائداد اور کاروبار وغیرہ میرے نام کر دیا ہے۔ گاؤں میں بہت سی زمینیں ہیں وہ بھی کوشش کر کے تمہیں دلوا دوں گی۔

شکریہ۔ بہت بہت شکریہ۔ شبانہ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری ابو مجھے یاد کرتے ہیں۔ تو ان سے ملنے ایک بار ضرور جاؤں گی۔ زمینیں لینے نہیں بھیک نہیں چاہئے مجھے۔

بھیک کیسی تمہارا حق ہے۔

کیسا حق۔ جب پیار اور شفقتوں کا حق نہیں پایا تو دولت کا حق لے کر

کیا کروں گی۔ تم اس قسم کی کوشش نہ کرنا۔ میں نہیں لوں گی۔

مت لو۔ انجم بگڑ کر بولی۔ تم نے ہمیشہ اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی ماری ہے۔ الطاف سیٹھ سے شادی کر لیتیں تو آج یہ حشر نہ ہوتا۔

انجم برسوں بعد ملی ہو۔ گڑھے مردے نہ اکھاڑو۔ کچھ اور باتیں کریں گے۔

میں تو اب جاؤں گی۔ وحید گاڑی میں بیٹھے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔

میرے گھر نہیں آؤ گی۔ دکان کے پیچھے ہی تو ہے۔

آج تو وحید ساتھ ہیں۔ جانے سے پہلے اکیلی آؤں گی۔

گاڑی میں بیٹھے بیٹھے تنگ آ کر وحید گاڑی سے اتر کر اندر آئے تو انجم کو آرام سے بیٹھے باتیں کرتے دیکھ کر قریب آئے اور بولے۔ انجم تم یہاں باتوں میں لگ گئیں۔ میں وہاں دھوپ میں بیٹھا سوکھ رہا تھا۔

شبانہ رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی تھی۔

چلئے۔ انجم چلنے کے لئے اٹھی۔ تو بے خیالی میں اس کے منہ سے نکل گیا۔ شیبا باجی ہم جا رہے ہیں۔

شیبا باجی کون؟ وحید نے پوچھا۔ تب ہی شبانہ بڑھی، وحید کی اس پر نظر پڑی تو خوشی سے چیخ پڑے۔ شیبا بہن تم مجھ سے منہ چھپا کر کھڑی ہو۔

آپ کی انجم نہیں چاہتی تھی کہ میں آپ سے ملوں۔ بے خیالی میں خود ہی راز فاش کر بیٹھی۔

کیوں وحید نے حیران ہو کر پوچھا۔

آپ کی سالی ہوکر درزی خانہ کھولے بیٹھی ہوں۔ کتنے بڑے شرم کی بات ہے۔ شبانہ طنز سے مسکرا کر بولی۔

سالی تو بعد میں ہو۔ پہلے تو میری بہن ہو۔ تم کیا جانو میں نے تمہیں کہاں کہاں تلاش کیا۔ رہتی کہاں ہو۔ اپنے گھر نہیں لے جاؤ گی ہمیں۔ وحید نے ایک ہی سانس میں اتنی باتیں کہہ ڈالیں۔

میں تو تیار ہوں۔ انجم سے پوچھ لیجئے۔ شبانہ نے مسکرا کر کہا۔

چلو گی انجم۔ وحید۔ نے پوچھا۔

انجم کچھ بوکھلائی سی کھڑی تھی۔ فوراً جواب نہ دے سکی۔

انجم سامنا تو ہو ہی گیا ہے۔ اب تو تمہیں اعتراض ہونا چاہئے۔ برسوں کے بعد ملی ہو تو میری خوشی کا اتنا تو پاس کرلو۔ شبانہ نے یہ سوچ کر کہ کہیں انجم انکار نہ کردے۔ بڑے ہی ملتجیانہ لہجہ میں کہا۔

آج نہیں ہم کل ضرور آئیں گے۔ شیبا باجی۔ آپ کے ہاتھ کا بنا مچھلی کا قورمہ مجھے بہت پسند ہے۔ وہی کھلانا۔

ابھی تک یاد ہے تمہیں۔ شبانہ نے مسکرا کر کہا۔

یاد ہے۔ تمہارے ہاتھ کی بنی ہوئی چیز بہت مزے دار ہوتی تھی۔ سب یاد ہے۔ کل ہم دوپہر کا کھانا تمہارے ہاں کھائیں گے۔ سب چیزیں تم خود بنانا۔ انجم نے بھی مسکرا کر کہا۔

جو حکم۔ شبانہ ہنس کر بولی۔ میں انتظار کروں گی۔

ہم ضرور آئیں گے۔ وحید نے وعدہ کیا۔

اچانک وحید بھیا کو پاکر شبانہ بہت خوش تھی۔ بہن نامہربان سہی۔ مگر

برسوں کے بعد ملی تو وہ سارے گلے شکوے بھول گئی۔ صبح سے ان کی خاطر مدارت کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ امی۔ آپ صبح سویرے سے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ میں کچھ ہاتھ بٹاؤں۔ شان نے جو اپنے کمرے میں بیٹھی امتحان کی تیاری کر رہی تھی۔ آ کر پوچھا۔

نہیں۔ نہیں۔ بیٹی کام ہی کتنا ہے۔ ہاتھ بٹانے کو دلاری موجود ہے۔ تم جا کر اپنا کام کرو۔ امتحان سر پر ہے۔

تو کیا ہوا۔ امی۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں فیل نہیں ہوں گی۔

اس کا تو مجھے یقین ہے۔ پھر بھی فرسٹ آنے کے لئے بڑی تیاری کی ضرورت ہے۔

شان کو زبردستی پڑھنے بھیج کر وہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ بارہ بجے سے پہلے ہی کھانا تیار ہو گیا۔ تو وہ اطمینان سے عادل کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔

آج بڑی خوش نظر آ رہی ہو شیبا۔ برسوں کے بعد بہن سے ملنے کی خوشی ہے کیا۔

سچ پوچھئے تو مجھے انجم سے زیادہ وحید بھیا سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔ انجم بھی اب پہلے سے بہت بدلی نظر آ رہی ہے۔

جیسی صحبت۔ ویسی عادت۔ وحید جیسے خوش اخلاق آدمی کے ساتھ رہ کر وہ کیسے نہ بدلتی۔ ان میں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وحید اور انجم دکان کے ملازم کے ساتھ آ گئے۔ شبانہ نے اٹھ کر دونوں کا خیر مقدم کیا۔

وحید آگے بڑھ کر عادل سے بغلگیر ہو گیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ عادل بھائی آپ تو اتنے بدل گئے ہیں کہ میں آپ کو کہیں باہر دیکھتا تو پہچان ہی نہ سکتا۔ ایسا

حال کیسے ہو گیا آپ کا۔

ایکسیڈنٹ میں ٹانگ کٹ گئی تھی۔ جب سے بیمار ہی رہتا ہوں۔

باہر کہیں نہیں جاتے۔ وحید نے پوچھا۔

کہاں۔ برسوں سے گھر پکڑے بیٹھے ہیں۔ شبانہ نے جواب دیا۔ شروع میں سال بھر تک بیساکھی کے سہارے چل کر دکان پر جا بیٹھتے تھے۔ پھر خدا جانے کیا خیال آیا۔ گھر ہی کے ہو بیٹھے۔ اب تو چھ سات سالوں سے کمرے سے باہر بھی نہیں نکلتے۔ بس بیساکھی کے سہارے غسل خانے تک چلے جاتے ہیں۔

عادل بھائی آپ کی بیماری کی اصل وجہ بیکاری اور پریشان خیالات ہیں۔ بیکار آدمی کا اور پریشان خیالات کا آپس میں بڑا گہرا دوستانہ ہوتا ہے۔ وحید نے مسکرا کر کہا۔

مجھ جیسا اپاہج آدمی بیکار نہ بیٹھے تو اور کیا کرے۔ ہاتھوں کے رعشہ نے اور بیکار کر دیا ہے۔ عادل نے آہ بھر کر کہا۔

انجم بیٹھو نا۔ شبانہ نے صوفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وحید بھیا آتے ہی باتوں میں لگ گئے۔ تم ابھی تک کھڑی ہو۔

انجم مسکرا کر بیٹھ گئی۔ پھر ادھر اُدھر دیکھ کر پوچھا۔ شیبا باجی آپ کے بچے نہیں ہیں کیا؟

ایک بیٹی ہے۔ شبانہ نے جواب دیا۔ تمہارے بچے کہاں ہیں۔

پونا میں خالہ امی کے پاس چھوڑ کر آئی ہوں۔ فرحت اور کاشف دو بچے ہیں۔

اتنے میں شان کمرے میں آئی۔ انجم اور وحید کو جھک کر سلام کیا۔

دونوں نے دعا دی۔

شیبا باجی۔ تمہاری بیٹی تو ماشاء اللہ بڑی خوبصورت ہے۔ تمہاری بیٹی تو لگتی ہی نہیں۔

میری نہیں تو کیا ہوا۔ تمہاری تو لگتی ہے۔ خدا کا شکر ہے جو وہ ماں کی صورت پر نہ گئی۔ تم سے بہت ملتی ہے۔ شان کو دیکھ کر میں تمہیں ہمیشہ یاد کیا کرتی تھی۔

شان خاموش بیٹھی دونوں کی بات سن کر مسکراتی رہی۔

شیبا بہن۔ وحید بڑے افسوس سے عادل کو دیکھ رہا تھا۔ بولا۔ میں اگلے مہینے امریکہ جا رہا ہوں۔ سوچتا ہوں عادل بھائی کو بھی ساتھ لے جاؤں۔

مجھ اپاہج کو لے جا کر کیا کرو گے۔ کسی کام نہ آؤں گا۔ بلکہ الٹا۔

آپ سے کوئی کام لینے کے لئے نہیں۔ آپ کا علاج کرانے کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ میرا علاج اب ہو چکا۔ عادل نے افسردگی سے کہا۔ بے کار میرے متعلق نہ سوچو۔ عادل تمہیں ایسی ہی باتیں کرنی آتی ہیں۔ شبانہ نے کہا۔ وحید بھیا۔ آپ سچ مچ لے جانے کو تیار ہیں تو میں بھی چلتی ہوں۔ روپوں کا میں نے بہت پہلے انتظام کر رکھا ہے۔ مگر اکیلے انہیں لے کر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس لئے اتنے دنوں صبر کئے بیٹھی رہی۔

تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے شیبا۔ کیا میں ناکافی ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کرو میں ان کا سگے بھائی کی طرح خیال رکھوں گا۔ تم شان بیٹی کو لے کر گاؤں چلی جاؤ اپنے ابو کے پاس۔ اب وہ تمہیں بہت یاد کرتے رہتے ہیں۔ مجھ سے کئی بار تمہیں تلاش کرنے کو کہا۔ میں نے کوشش بھی بہت کی تم ملی نہیں۔

اب بھی ہوا ابو سخت بیمار ہیں زندگی میں باپ بیٹی کا دل صاف ہو جائے تو اچھا ہے۔ جو ہوا اُسے تم بھی بھول جاؤ۔ وہ بھی بہت پہلے تمہیں معاف کر چکے ہیں۔ جیسا آپ کہیں گے۔ میں وہی کروں گی وحید بھیّا۔ شبانہ نے گلوگیری آواز میں کہا۔

جیتی رہو۔ وحید نے ہنس کر دعا دی۔ اور کہا تم شاید یقین نہ کرو شیبا۔ تمہارے غائب ہونے کا سب سے بڑا غم مجھ ہی کو تھا۔ پلی پلائی ایک بہن ملی تھی وہ بھی چھوٹ گئی۔

شیبا۔ عادل نے جواب تک سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا۔ بولا مجھے کہیں نہ بھیجو۔ میں اتنے دور کا سفر نہ کرسکوں گا۔

انہیں بکنے دو شیبا۔ وحید نے کہا۔ برسوں سے گھر پکڑے بیٹھے ہیں نا۔ باہر نکلنے کے خیال سے وحشت ہو رہی ہے۔ پھر عادل سے مخاطب ہو کر بولا۔ آپ گھبرایئے نہیں۔ ایک ماہ کے اندر آپ کو پہلے والا عادل بنا کر لے آؤں گا۔

وہ کیسے؟ عادل نے اشتیاق سے پوچھا۔

دہاں پر نقلی ٹانگ اس مزے کی لگائی جاتی ہے کہ اصلی کا گمان ہوتا ہے۔

ٹانگ کے لگ جانے سے ہماری تو شفا نہیں ہوگی۔ برسوں سے جان کو چمٹی ہوئی ہے۔

آپ کی بیماری نقلی ہے عادل بھائی۔ وحید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیا مطلب عادل نے بوکھلا کر پوچھا۔

آپ اصل بیمار نہیں ہیں۔ اسی درد نے انسانوں کو نت نئی نوعیت کی

بہت سی بیماریاں کش دی ہیں۔ کسی کو دل کا مرض ہے۔ کسی کو پیٹ کا ہے۔ تو کوئی بلڈ پریشر کا مریض ہے۔ کوئی صرف خیالوں کا مریض ہے۔ مثلاً کوئی موٹا تازہ سیٹھ دیوالیہ ہو جائے تو دو دن کے بعد دیکھے ہسپتال کے کسی بیڈ پر نظر آئے گا۔ دیوالیہ ہونا تو خیر بڑی بات ہے کسی جھوٹی موٹی آسامی کو بھی معمولی سا مال نقصان اٹھانا پڑے تو وہ حضرت بھی جھٹ پٹ بیمار ہو کر بستر پر دکھائی دینے لگتا ہے۔ پہلے زمانے کے لوگ بڑے باہمت تھے۔ فولاد کے سے مضبوط دل رکھتے تھے۔ بڑی بڑی مصیبتیں بھی ان کے فولادی دل کو ہلا نہیں سکتی تھی۔ بھاری سے بھاری نقصان پر بھی مسکرا کر کہہ دیتے تھے۔ کوئی بات نہیں۔ کور کر لیں گے۔ دل پر اثر لینے کا کام ہی نہ تھا۔ آج بھی ویسے ہی باہمت لوگ ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔ آج کل تو میں دیکھتا ہوں ہر شخص نے کوئی نہ کوئی بیماری پال رکھی ہے۔ ڈاکٹروں کی بن آئی ہے۔ ان کے وارے نیارے ہیں۔ اللہ میاں ان کے لئے چھپر پھاڑے بیٹھا ہے۔

وحید کی دلچسپ باتوں سے عادل بہت محظوظ ہو رہا تھا۔ مسکرا کر پوچھا۔ آپ بتایئے میں کس نوعیت کا مریض ہوں۔

ٹانگ کی محرومی کا احساس بیماری بن کر چمٹ گیا ہے آپ سے وحید نے ہنس کر کہا۔ اچھا ہوتا جو میں انجینئر بننے کے بجائے ڈاکٹر بن جاتا۔ شیبا تم بتاؤ تمہیں کیا مرض ہے۔

اچھی بھلی ہوں۔ شیبا نے مسکرا کر جواب دیا۔

اس دور میں یہ ناممکن سی بات ہے کسی کا اچھا بھلا ہونا۔ کچھ نہ کچھ تو ہوگا۔

آپ ڈاکٹر تو نہیں ہیں۔ پھر یہ تشخیص کیا لے بیٹھے۔ انجم نے جو اتنی دیر خاموش بیٹھی تھی مسکرا کر پوچھا۔

بہت مزا آتا ہے اس لئے تو ڈاکٹر نہ بننے کا اب افسوس کئے جاتا ہوں۔ ہاں تو شیبا۔ تم بتاؤ کیا مرض ہے تمہیں۔

کچھ ہو تو بتاؤں بھی۔

یہ میں کیسے مان لوں۔ کم از کم خیالوں کی مریض تم ضرور ہو گی۔

یہ اچھی رہی۔ خواہ مخواہ اچھے بھلوں کو مریض بنائے جا رہے ہیں آپ۔ انجم نے ہنس کر کہا۔

وحید بھائی ٹھیک کہتے ہیں۔ میں وسوسوں کی مریض ہوں کبھی کبھی میرے واہمے اس شدت سے حملہ کرتے ہیں کہ میری حالت ابتر ہو جاتی ہے۔ بہت زیادہ مصروف رہتی ہوں دن بھر سوچنے کے لئے وقت نہیں ملتا۔ تو ٹھیک ہوں۔ فرصت سے بیٹھوں تو یقیناً میری سوچیں اور وسوسے مجھے بھی مریض بنا دیں۔

اب کہو۔ وحید نے انجم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے بہت سے لوگوں سے کرید کر پوچھا ہے۔ اس کے متعلق پہلے تو سب رسمی طور پر یہی کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے اچھے بھلے ہیں۔ مگر بعد میں اپنے کسی نہ کسی مرض کا ذکر کر ہی دیتے ہیں۔

شیبا باجی۔ کھانا تیار ہو گیا۔ بھوک لگی ہے۔ یہ باتوں میں لگ جاتے ہیں تو پھر ان کی بھوک پیاس بند ہی سمجھئے۔

کھانا تو کب کا تیار ہے۔ شیبا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ تو شان بولی۔

ای۔ آپ بیٹھیئے میں جاتی ہوں۔

شان اٹھ کر چلی گئی۔ شبانہ پھر بیٹھ گئی اور انجم سے بولی۔ ابو بہت بیمار ہیں۔ تم چلی جاؤ نا۔ ان کے پاس کچھ دنوں کیلئے۔ نہیں میرا اس اجاڑ گاؤں میں جی نہیں لگتا۔ ابھی تو ہفتہ بھر بڑی مشکل سے رہ کر آئی ہوں۔ بھئی۔ وہاں کلب جو نہیں ہے۔ انجم کیسے رہے گی۔ ایک دن کلب نہیں جائے گی تو اس کا کھایا پیا اسے ہضم نہیں ہوگا۔ گاؤں میں بڑی سخت قسم کی بدہضمی ہوگئی تھی۔ وحید نے ہنستے ہوئے کہا تو انجم چڑ گئی اور منہ پھلا کر بولی۔ آپ کو تو بس چھیڑنے کا بہانہ ہونا چاہیئے۔ گاؤں میں ابو کا خانساماں جو ہے کمبخت ہر سالن میں بہت سوا گھی اور مصالحہ ڈال دیتا ہے میرے پیٹ کو نہیں لگا۔ بدہضمی ہوگئی۔ کلب کا بدہضمی سے کیا تعلق۔

بہت بڑا تعلق ہے۔ تم سمجھو گی نہیں۔ ایک دن کلب کا ناغہ ہوتا ہے تو تمہاری طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ تم بھی مریض ہو۔ کلب کا روگ لگا ہے تمہیں۔

شبانہ اور عادل دونوں کی نوک جھونک سن کر مسکرا رہے تھے۔

اتنے میں شان نے آ کر کھانے کی اطلاع دی تو سب اٹھ کر کھانے کے لئے کمرے میں آ گئے۔ وحید کی زبردستی پر کتنے ہی برسوں کے بعد عادل بھی بیساکھی کے سہارے چل کر سب کے سب ساتھ کھانے کی میز پر آ بیٹھا۔ شبانہ نے دلاری سے عادل کا پرہیزی کھانا لانے کو کہا تو وحید نے منع کر دیا اور بہن کو ڈانٹتے ہوئے بولا۔

شیبا۔ عادل بھائی کو بیمار بنائے رکھنے کی ذمہ دار تم ہو۔ اچھا بھلا آدمی ہے خواہ مخواہ بیماری کا احساس دلا دلا کر اسے تم نے بستر کا بنا رکھا ہے۔

ڈاکٹر نے منع کیا ہے وحید بھیا۔

آج ایک دن تو ہمارے ساتھ مل کر کھانے دو شیبا۔ کچھ نہیں ہوگا۔ جتنا ہم ڈرتے رہیں گے مرض اتنے ہی نڈر سے حملہ کرتا رہے گا۔

وحید کی سفارش پر آج عادل کو مزیدار کھانا کھانے کو ملا تو اس کی خوشی کی حد نہ رہی۔ سب کے ساتھ مل کر اس نے ہنسی خوشی خوب ڈٹ کر کھایا۔ واقعی وہ آج بیمار نہ لگ رہا تھا۔ شبانہ اور شان بار بار اس کی طرف حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ چہرے پر شگفتگی برسوں سے غائب تھی۔ آج پوری طرح چھائی ہوئی تھی۔ کھانے کے بعد عادل اپنے کمرے میں جانے لگا تو وحید نے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔ ادھر نہیں باہر والے کمرے میں عشق ہو گیا ہے جیسے اپنے کمرے سے۔ عادل مسکراتے ہوئے چپ چاپ باہر والے کمرے میں آبیٹھا۔ بڑی دیر تک باتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ وحید کی زبان ذرا دیر بھی چپ رہنے والی نہ تھی وہ بولتا رہا اور سب محفوظ ہوتے رہے۔ شام کی پر تکلف چائے پینے کے بعد انجم اور وحید کھانے کے لئے اٹھے تو شبانہ نے کہا۔ وحید بھیا آپ اور انجم کل بھی آیئے نا۔

انجم تو کل پونا جا رہی ہے۔ بچے یاد کر رہے ہیں۔ میں یہیں ہوں۔ روز آیا کروں گا۔

انجم اب کی تم آؤ تو بچوں کو ضرور لے آنا۔ ضرور لے آؤں گی شیبا باجی۔ مجھے تو پونا سے یہاں اچھا لگتا ہے۔ یہیں رہ جائیں ہم مستقل طور پر کیا ارادہ ہے۔

وحید نے انجم سے پوچھا۔ خالہ امی مانیں گی تب نا۔

ہاں یہ بات ہے۔ امی پونا نہیں چھوڑیں گی۔ انہیں اپنے وطن سے بڑی محبت ہے۔

فوزیہ چچی کو جانتی ہو تم۔ وحید نے حیرت سے پوچھا کیسے نہ جانتیں۔ اسکول میں شیبا باجی کی وہ خاص سہیلی تھیں۔ انجم نے ہنس کر کہا۔

اوہ۔ مجھے تو معلوم نہیں تھا ورنہ انہیں بھی ساتھ کھینچ لاتا۔ اب کی بار میں دیکھتا ہوں۔ فوزیہ چچی بہت اداس اور بجھی بجھی سی رہتی ہیں۔ جانے کیا بات ہے آپ کو معلوم نہیں۔ انجم نے کہا۔ باپ سے ناراض ہو کر اعجاز گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔

کیوں کس لئے مجھے تو نہیں معلوم۔ شاہ انکل سے میں نے اعجاز کے متعلق پوچھا بھی تھا تو وہ ٹال گئے۔ بات کیا ہوئی؟

اعجاز نے کسی لڑکی کو پسند کر لیا تھا۔ شاہ انکل نہیں مانے بس اس بات پر وہ چپ چاپ گھر سے چلا گیا۔ شاہ انکل بھی عجیب ہیں۔ شادی لڑکے کو کرنی ہے۔ یہ اپنی ٹانگ کیوں لے گئے بیچ میں اڑانے۔ خیر کوشش کروں گا۔ جانے سے پہلے یہ نیک کام بھی ہو جائے۔ دونوں کی باتیں سن کر شیبا اور عادل کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ مگر انجم اور وحید نے باتوں کی دھن میں ادھر خیال نہیں کیا۔

شاہ انکل بڑے ضدی ہیں۔ انہوں نے جھکنا نہیں سیکھا۔ انجم نے مسکرا کر کہا۔

دیکھا جائے گا۔ ضدی کون ہے۔ پہلے معاملے کی اہمیت تو معلوم کر لوں۔ وحید نے جواب دیا۔ انجم! بھولا کیسا ہے۔ شیبا کو اچانک اپنا محسن

بھولا یاد آیا۔ اچھا ہے۔ بڈھا ہو گیا ہے مگر اب بھی پہلے کی طرح بھاگ بھاگ کر کام کرتا ہے۔ شیبا باجی تمہیں ابو سے زیادہ بھولا یاد کرتا رہتا ہے۔ جب سنو تمہارا ہی ذکر۔ سچ شیبا نے خوش ہو کر پوچھا۔ شان امتحان سے فارغ ہو لے تو میں فوراً گاؤں چلی جاؤں گی۔ وحید امریکہ جا رہے ہیں تو گاڑی یہیں چھوڑ جائیں گے تم اسی میں گاؤں چلی جاؤں گی۔ دو چار دن کیلئے میں بھی بچوں کو لے کر آ جاؤں گی۔ انجم نے کہا۔

تو عادل بھائی کا میرے ساتھ امریکہ چلنے کا پروگرام طے ہے نا۔ وحید نے پوچھا کیا کہتے ہو عادل بھائی۔ تمہاری اور شیبا کی یہی مرضی ہے تو یہی سہی۔ عادل نے بے دلی سے کہا۔ اب چلئے بھی۔ انجم بولی۔

اوہ۔ چلتا ہوں۔ کلب جانے کا وقت ہو رہا ہے۔

آپ نے ایسے ہی کلب کو میرا اچڑ بنا لیا ہے۔ انجم نے مسکرا کر کہا۔

پھر دونوں اجازت لے کر چلے گئے۔

دوسرے دن وحید آیا تو اس کے ساتھ فوزیہ بھی تھی۔ وحید فوزیہ کو شبانہ
کے پاس چھوڑ کر خود عادل کے کمرے میں چلا گیا۔
فوزیہ کی حالت دیکھ کر شبانہ حیران رہ گئی۔ اتنے قلیل عرصہ میں وہ کتنی
کمزور ہو رہی تھی ایک خوفناک سی زردی اس کے چہرے پر چھا گئی تھی۔ اس
کے علاوہ اس کے چہرے پر غم اور پشیمانی کا ملا جلا عکس بھی تھا۔
شبانہ آگے بڑھی اور اپنی عزیز سہیلی سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولی۔
فوزیہ تم نے اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے؟ شیبا میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔
سوچا تھا کبھی یہ منہ لے کر تیرے سامنے نہیں آؤں گی مگر وحید میاں جو تمہارے
بھیا بنے ہوئے ہیں زبردستی مجھے کھینچ لائے تو بھی عجیب ہے فوزی۔ معمولی سی
بات کا اتنا بڑا کیا اثر لینا۔

معمولی بات نہیں ہے شیبا۔ بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔ دو
معصوموں کے دل کی دنیا لٹ گئی۔ برباد ہو گئی۔ کاش میں تیری بات پہلے ہی
مان لیتی۔ میں اپنی حماقت پر دن رات ماتم کرتی ہوں اس کی سزا بھگت رہی
ہوں۔ میرا اعجاز گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ جانے وہ کہاں کہاں نوکری کی تلاش میں
بھٹک رہا ہے۔ یہ سب کہتے ہوئے فوزیہ کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ آنکھوں میں آنسو

بھر آئے۔ اعجاز تو اپنے کسی دوست کے ہاں ٹھہرا ہوا ہے۔
تمہیں کیسے معلوم کیا تمہارے پاس آیا تھا۔
نہیں۔ شان سے ملا تھا باہر کہیں۔ کیا کہا اس نے کہا۔
بس شان نے اتنا ہی بتایا کہ ملازمت ملنے کے بعد وہ مجھ سے ملنے آئے گا۔

شیبا۔ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ وہ آکر شادی کی بات کرے تو تم انکار نہ کرنا۔
یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ اس کے باپ کی مرضی نہیں ہے تو میں کیسے ہاں کر دوں۔
باپ تو ظالم ہے۔ کیا تم بھی ظالم بن جاؤ گی۔
نہیں فوزی مجھے اس کے لئے مجبور نہ کرو۔ یہ کام ہوتا ہے تو اشفاق صاحب کی رضامندی کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔
تم نے کون سا اپنے باپ کی رضامندی کا خیال رکھا تھا۔ جواب بیٹی کیسے ایسا سوچ رہی ہو۔ شبانہ جواب نہ دے سکی۔
اتنے میں وحید عادل کو لے کر باہر والے کمرے میں آگیا اور بولا۔
شیبا کیا آج چائے نہیں پلاؤ گی۔ سہیلی مل گئی تو بھیا کو بھول گئیں۔
ابھی لاتی ہوں بھیا۔ پانچ منٹ میں۔ شبانہ چائے بنانے چلی گئی۔
عادل نے فوزیہ سے پوچھا۔ اتنے دنوں آئی کیوں نہیں؟ ناراض تھیں کیا ہم سے؟
کیا منہ لے کر آتی عادل بھائی۔ رندھی ہوئی آواز میں فوزیہ نے

جواب دیا اور شرم وندامت سے سر جھکا لیا۔ اس میں ندامت محسوس کرنے کی کیا بات ہے۔ بات سنجوگ کی ہے۔ ہم نے سوچا نہیں ہوا۔ جانے دو۔ کیا قصہ ہے وحید نے پوچھا۔

تو عادل نے سب باتیں وحید سے کہہ ڈالیں۔

روداد سن کر وحید کے چہرے پر فکر و تشویش کی کئی لکیریں ابھر آئیں۔ شان کو بہو بنانے پر شاہ انکل کو راضی کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ ابو سے کچھ زیادہ ہی شیبا سے شاہ انکل ناراض تھے۔ الطاف سیٹھ کا پیغام وہی لائے تھے وہ ان کا لنگوٹیا یار تھا۔ شیبا کی شادی اپنے دوست سے کرانے کی پوری کوشش ان ہی کی تھی۔ برات سے چار دن پہلے دولہن غائب ہوگئی۔ الطاف سیٹھ نے جب سنا تو شاہ انکل کی خوب خبر لے ڈالی۔

الطاف سیٹھ کی خوشنودی حاصل کرنے کی انہوں نے جو کوشش کی تھی۔ وہ ناکام ہوکر رہ گئی۔ ساتھ ہی دوستی بھی ختم ہوگئی۔ ان کی دوستی سے شاہ انکل کے بڑے فائدے تھے۔ بزنس کیلئے جب بھی روپوں کی ضرورت پڑتی۔ الطاف سیٹھ بے دریغ اپنی تجوری کا منہ کھول دیتے۔ ایسے دوست کو شیبا نے ان کا دشمن بنا دیا۔ کئی دنوں تک وہ دانت پیستے رہے۔ کھاتے رہے۔ ابو شیبا کو معاف کر چکے ہیں۔ مگر یہ حضرت...... خیر دیکھا جائے گا اچھا ہوتا جو بیٹے کے معاملے میں بھی وہ چنگیز خاں منہ کی کھا جائے۔

کیا سوچ رہے ہو وحید۔ فوزیہ نے بے چین ہوکر پوچھا۔

کچھ نہیں۔ وحید نے چونک کر کہا۔ فوزیہ چچی میں نے آپ سے کئی بار پوچھا کیا حرج تھا اگر بتا دیتیں؟ میں کوشش کرتا۔ شاید اب تک کام بن چکا

ہوتا۔

کچھ امید ہوتی تو بتاتی بھی۔ ان کی ضد کو تم نہیں جانتے وحید۔ ایک بار ان کے منہ سے نا ہو گیا تو پھر ہاں کبھی نہیں ہوتی۔

ان سے ہاں کرانے کی ہی تو کوشش کرتی ہے آپ بالکل فکر نہ کریں جس طرح بھی ہو سکا انہیں راضی کر لوں گا۔ اگر یہ کام کر سکو تو تم دو معصوموں کی زندگی بچالو گے اور میں زندگی بھر تمہاری احسان مند رہوں گی۔ میرا چین اٹھ گیا ہے۔ بھوک بند ہو گئی ہے۔ رات بھر نیند نہیں آتی۔ تم پاگل ہو گئی ہو فوزی۔ خواہ مخواہ مرنے جا رہی ہو۔

شبانہ کمرے میں داخل ہو کر بولی۔ ایسے جینے سے تو مر جانا ہی بہتر ہے۔ فوزیہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولی۔ کیا تکلیف ہے تمہیں۔ شبانہ نے پوچھا۔

دولت کے ڈھیر پر بیٹھی ہو تکلیف کیسی۔ یہی سمجھتی ہو نا تم۔ جس پر بیتے وہی جانے فوزیہ نے آہ بھر کر کہا۔ فوزیہ چچی میں نے کہا نا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں میں انتھک کوشش کروں گا۔ اعجاز کے ساتھ شان کا دامن وابستہ کرا کر ہی دم لوں گا۔

بھیا اپنے اعجاز کو منا کر گھر پہنچایئے۔ دیکھ نا بیٹے کی جدائی کے غم میں فوزی گھلی جا رہی تھی۔ ماما کی تڑپ بری ہوتی ہے۔

میں جانتا ہوں۔ مجھے اس کا احساس بھی تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا۔

فوزیہ نے سر جھکا لیا مگر کیا شبانہ نے پوچھا۔

کنواں پیاسے کے پاس کبھی نہیں جاتا۔ پیاسے کو آنا پڑتا ہے کنویں

کے پاس وحید نے کہا پھر بھی نہیں مانا۔ کئی بار پوچھا مگر ان کا پرائیوٹ معاملہ میں غیر آدمی۔ مجھ سے کیسے کہہ دیتیں۔

یہ بات نہ تھی وحید فوزیہ خجل سی ہو کر بولی۔ بس دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جب اپنا ہی ایسا بے رحم ہے تو دوسروں کو کیا پڑی ہوگی۔ خواہ مخواہ اپنے دل کا دکھا کر تمہیں کیوں پریشان کرتی۔ مجھے معلوم نہیں تھا...... کیا معلوم نہیں تھا......

تم اتنے اچھے ہو۔ اتنے رحم دل ہو۔ پتھر سے پالا پڑا ہے تو سمجھتی ہوں سب ہی پتھر کے ہیں۔ سنو شیبا۔ فوزیہ چچی بھی مریض ہیں۔ اللہ کتنا اچھا ہوتا اگر میں ڈاکٹر بن جاتا زندگی بھر افسوس کرتا رہوں گا۔ وحید نے ہنستے ہوئے کہا۔

دلاری چائے لا کر میز پر سجا رہی تھی۔ وحید کی بات سن کر وہ بھی ہنس دی۔

تو کیا سمجھی جو ہنس رہی ہے۔ وحید نے دلاری سے پوچھا۔

صاحب آپ ڈاکٹر بن جاتے تو پھر شہر میں تندرست ایک بھی نہ ہوتا۔ آپ سب کو مریض سمجھتے تو کیا۔ یہی سوچ کر ہنسی آ گئی تھی کہ اچھا ہی ہوا کہ جو آپ ڈاکٹر نہیں بنے دلاری نے کہا اور کمرے سے بھاگ گئی۔

یہ لڑکی تو بڑی تیز ہے میں تو اسے بدھو سمجھے ہوئے تھا۔

شان نے اسے انگریزی پڑھا دی ہے۔ فرصت کے اوقات کتابیں خوب پڑھتی ہے۔ پھر تیز کیسے نہ ہوگی۔ شبانہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

شبانہ نے کچھ نمکین چیزیں اپنے ہاتھ سے بنائی تھیں۔ چائے کا دور چلا

توحید نے ان چیزوں کی بڑی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ شیبا تمہارے ہاتھوں میں تو کمال ہے ہر چیز اتنی مزیدار بناتی ہو کہ بس کھاتے رہو۔ پیٹ بھر جائے مگر نیت نہ بھرے۔

معمولی سی چیزوں کی اتنی تعریف کر کے کیوں ہنساتے ہو بھیا۔ شیبا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ہنساتا نہیں۔ واقعی سچ کہہ رہا ہوں مجھے تمہارے ہاتھ کی بنی ہر چیز پسند ہے کاش میرا کوئی جوان بیٹا ہوتا تو میں تم سے ایک رشتہ بڑھا لیتا۔ وحید نے کچھ اس طرح افسوس سے آہ بھر کر کہا کہ سب ہنس دیئے۔

میرے اعجاز کو کب گھر لے آؤ گے وحید میاں۔ فوزیہ نے پوچھا۔

دو مہینے صبر کرنا ہوگا آپ کو۔ دو مہینہ۔ فوزیہ چیخ پڑی نہیں نہیں۔ اتنے دن مجھ سے صبر نہ ہوگا۔ مایوس تھی تو صبر کئے بیٹھی تھی اب امید پیدا ہوئی تو صبر نہیں ہوتا۔ وحید نے ہنس کر پوچھا۔ کیوں ستاتے ہو بھیا۔ جسطرح بھی بنے اُسے گھر لے آؤ اور باپ بیٹے میں صلح کرادو۔

میرے بلانے سے کیا وہ چپ چاپ گھر چلا آئے گا۔ بیٹا کس کا ہے۔ باپ سے کم ضدی وہ بھی نہ ہوگا۔ پھر کیا ہوگا۔ شبانہ نے تشویش سے پوچھا۔

اگر تم مان جاؤ تو ابھی جا کر اعجاز کو پکڑ لاتا ہوں۔ میرے ماننے سے کیا ہوگا۔ بہت کچھ ہوگا۔ تم اسے داماد بنا لو۔ دونوں ہنسی خوشی تمہارے پاس رہیں گے اعجاز کے لئے اسکے شایان شان ملازمت کا کہیں بندوبست کردوں گا تمہیں اور کیا چاہیے۔

نہیں نہیں بھیا۔ یہ نہیں ہوگا۔ اُسے والدین سے پھرا کر اپنانا خودغرضی

ہے۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ والدہ محترمہ تو سامنے بیٹھی ہیں۔ لگتا ہے وہ اپنے بیٹے کو تمہارا گھر داماد بنانے کو راضی ہیں دل سے۔ باقی رہے والد محترم تو انہیں مارو گولی۔ سال دو سال کے بعد جب پوتا دیکھیں گے تو خون جوش مارے گا بیٹے کو منانے خود ہی چلے آئیں گے۔

نہیں یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ آپ انکل کو راضی کرنے کی کوشش کیجئے۔ یہ کام ہونا ہے تو ان کی مرضی سے ہی ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ شبانہ فیصلہ کن لہجہ میں بولی۔

یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ وحید میاں۔ فوزیہ جھلا کر بولی۔ اُدھر وہ ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ اِدھر یہ دونوں ہی بے رحم بنے ہوئے ہیں۔ اولاد کی خوشیوں کو روند ڈالیں گے مگر ضد نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے غلط نہ سمجھو فوزی۔ شبانہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ اولاد کی خوشی سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا ہے دنیا میں مگر جلدی بازی کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ حالات کی تلخی کو نظر انداز کر کے ہم جذباتی رو میں بہہ کر کوئی فیصلہ کرلیں اور وہ فیصلہ بعد میں پشیمانی کا باعث بن جائے۔ اسی لئے میں کہتی ہوں صبر سے کام لو۔ دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے؟

جیسی تمہاری مرضی۔ فوزیہ نے آہ سرد بھر کر کہا۔ ایک بار تمہاری بات نہ مان کر میں کڑی سزا بھگت رہی ہوں وہ بھیگی آنکھوں کو دوپٹے کے پلو سے خشک کرنے لگی۔ اُس کے چہرے پر چھائے درد و کرب کی لہروں کو دیکھ کر شبانہ کا دل کانپ اٹھا۔

وحید نے بھی اس کے غمزدہ چہرے کو افسوس بھری نظر سے دیکھا اور

امید دلاتے ہوئے بولا۔ فوزیہ چچی آپ اتنی مایوس کیوں ہو رہی ہیں۔ میں نے وعدہ جو کیا ہے انشاء اللہ اس کو نبھانے کی انتھک کوشش کروں گا۔ تمہاری کوششوں سے کیا ہوگا وحید میاں جبکہ یہ دونوں ہی اپنی اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں۔ فوزیہ نے مایوسی سے کہا۔

مجھے دو مہینے کی مہلت دیجئے۔ امریکہ ہو آؤں۔ میرا بہت ضروری کام ہے، نہ گیا تو ہزاروں کا نقصان ہوگا۔ ایک ماہ کے اندر واپس آجاؤں گا۔

بھیا۔ ایک ماہ کے اندر ان کا علاج ہو جائے گا کیا۔ شبانہ نے پوچھا۔

ان کا کیا علاج ہونا ہے بس چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے پھر انہیں ٹھیک ہی سمجھو۔

واقعی تم کمال کے آدمی ہو وحید۔ دل کے اندر جھانک کر بات کا پتہ لگا لیتے ہو عادل نے جواب تک خاموش بیٹھا تھا کہا اور ہنس دیا۔ شان اپنے کمرے میں بیٹھی ان سب کی باتیں سن رہی تھی۔ ماں کے فیصلہ کو سن کر اسے اپنے خوابوں کی حسین دنیا پھر سے برباد ہوتی نظر آنے لگی کامرانیوں سے ہمکنار ہونے کی تمام امیدیں مایوسی میں بدل گئیں۔

اس کے چہرے پر چند دنوں سے جو رونق تھی وہ غائب ہو گئی اور اس کی جگہ دھندسی چھا گئی۔ دن بیتتے گئے۔ شان امتحان کے مرحلہ سے گزر چکی تھی۔ کالج جانا بند ہو گیا۔ دن بھر بیکار بیٹھے وقت گزرتا ہی نہیں تھا۔ کوئی کام کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ سارا دن اپنے کمرے میں بستر پر پڑی رہتی تھی۔ اعجاز کو پانے کی آس پھر سے دم توڑ چکی تھی۔ پھر اس کا تصور دل و دماغ پر بدستور قابض تھا جو کبھی تسکین دیتا تو کبھی بے چین کر دیتا۔

ماں کے سامنے وہ ضبط وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو خوش ظاہر کیا کرتی تھی تاکہ ماں سمجھے محبت میں ناکامی کے حادثہ سے وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہے۔

مگر ماں جانتی تھی۔ بیٹی کے چہرے پر چھائی شگفتگی مصنوعی ہے وہ ماں کو اور اپنے آپ کو فریب دے رہی ہے۔ محبت میں ناکامی برداشت کر لینا معمولی بات نہ تھی۔ خود اس بات کا بڑا تجربہ تھا۔ اعجاز اس کی بیٹی کیلئے گھر بار سب کچھ چھوڑ بیٹھا تھا وہ چاہتی تو دونوں کو ایک لڑی میں پرو سکتی تھی۔ اس کے خوابوں کی سنہری تعبیر اس کے بس کی بات بنی ہوئی تھی۔ مگر اس خود غرضی کیلئے اس کا ضمیر آمادہ نہ تھا پرائی اولاد کو اس کے والدین سے چھین کر اپنانا انتہائی ظلم سمجھتی تھی۔ باپ کی بددعاؤں کی وجہ سے اس کی زندگی میں خوشیاں کم اور دکھ زیادہ رہے۔ باپ کی دعاؤں کی طرح اس کی بددعا بھی بڑا اثر رکھتی ہے۔ اسکے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ عادل پر جو بھی گزری ہے اس پر ابو کی بددعاؤں کی وجہ سے گزری ہے۔ اگر عادل اسے نہ اپناتا تو اس کی یہ حالت کبھی نہ ہوتی۔ اب بیٹی کی مصنوعی شگفتگی کے پیچھے چھپی اداسی کو دیکھ کر اس کا دل چاہنے لگتا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ اعجاز کو بلا کر اس کے ہاتھ میں بیٹی کا ہاتھ پکڑا دے۔ آگے جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا مگر یہ خیال زیادہ دیر دل میں نہ جمتا نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ وقت بڑا مرہم ہے۔ آہستہ آہستہ دونوں سب کچھ بھول جائیں گے۔ کالج کھل جائے گا۔ شان پھر سے پڑھائی میں مشغول ہو جائے گی۔ دھیان بٹ جائے گا تو یادیں بھی دھندلی پڑ جائیں گی۔ یہ سوچ کر وہ دل کو تسلی دے لیتی مگر اس طرح بھی دل کو پوری تسلی نہ مل رہی تھی۔ دل

ہر وقت بے چین ہی رہتا تھا شان کو دن بھر اپنے کمرے میں بستر پر پڑے دیکھ کر وہ کڑھتی بھی بہت تھی۔ کیا کرے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے کچھ سوچ کر وہ اٹھی اور شان کے کمرے میں چلی آئی۔ شان بستر پر لیٹی تھی۔ ماں کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔

شام کے وقت بھی کمرے میں گھسی بیٹھی ہو۔ دیکھو کتنا اچھا موسم ہے کہیں تفریح کے لئے چلی جاؤ۔ کہاں جاؤں امی۔

ریگل میں بہت اچھی فلم چل رہی ہے جا کر دیکھ آؤ۔ شبانہ نے کہا۔

نہیں مجھے پکچرز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں نہیں جاؤں گی۔ امی ہم گاؤں کب جا رہے ہیں۔ اگلے ہفتے عادل اور وحید بھی امریکہ جا رہے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد ہم گاؤں چلے جائیں گے۔ جاؤ بیٹی تیار ہو جاؤ اس طرح ست بن کر پڑی رہو گی تو صحت خراب ہو جائے گی۔ تفریح سے جی بہلے گا۔ میں دلاری کو ٹیکسی لانے بھیجتی ہوں تم جھٹ پٹ تیار ہو جاؤ۔ کبھی کبھی تفریح بھی زندگی کیلئے بہت ضروری ہے شبانہ نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔ ماں کی زبردستی پر وہ اٹھ کر تیار ہونے لگی۔ تیار ہو کر باہر نکلی تو ٹیکسی بھی آ چکی تھی۔ واپسی میں بھی ٹیکسی کر لینا۔ بس کا انتظار نہ کرنا۔ ماں کی بات پر اس نے ہاں کہی اور ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ ریگل میں آج رش بالکل نہیں تھا کیا لوگوں نے سنیما دیکھنا بھی چھوڑ دیا یہ سوچتی ہوئی وہ کھڑکی کے پاس ٹکٹ خریدنے پہنچی تو اعجاز ٹکٹ لے کر کھڑکی کے قریب سے ہٹ رہا تھا۔ شان! تم کو کیا سوجھی آج پکچر دیکھنے کی۔ اس نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے لہجہ میں پوچھا۔ جیسے آپ کو سوجھی تھی۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

میں تو اب ہر دوسرے تیسرے دن پکچر دیکھتا ہوں کبھی تو ایک دن میں دو شو بھی دیکھ لیتا ہوں۔ الجھے دماغ کے لئے یہ تفریح بڑی اچھی ہے اعجاز نے مسکرا کر کہا اور اس کیلئے بھی ٹکٹ خریدنے کیلئے کھڑکی کی طرف بڑھا تو وہ بولی۔ ٹکٹ میں خریدلوں گی۔

اگر میں خریدلوں تو کچھ حرج ہے کیا؟ اس نے شکایت بھری ایسی نظر سے شان کو دیکھتے ہوئے پوچھا کہ وہ تاب نہ لاسکی۔ سر جھکا کر بولی۔ اچھا۔ لیجئے۔

شکریہ۔ اعجاز نے مسکرا کر کہا۔ اور ٹکٹ لا کر بولا۔ چلو بیٹھیں گے۔ دونوں اندر چلے گئے۔ ہال میں لوگ بہت کم تھے۔ دونوں سب سے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

آج ہال اتنا خالی کیوں ہے۔ پہلے تو پہنچنے میں ذرا دیر ہوجاتی تھی تو ٹکٹ نہیں ملتا تھا۔ اب کیا ہوگیا۔ اب لوگ بہت کنجوس ہو گئے ہیں۔ اعجاز نے مسکرا کر کہا۔ ایسی کیا بات ہے جو سب کے سب اچانک ہی کنجوس ہو گئے۔ فلم اچھی نہ ہوگی بیکار آئی ہیں۔ فلم بہت اچھی ہے میں یہ تیسری بار دیکھنے آیا ہوں۔ دراصل لوگوں کے پاس اب فالتو روپیہ نہیں ہے۔ ٹیکسوں کا بڑا بھاری بوجھ پڑا ہوا ہے پھر پیٹ کا مسئلہ بھی اب پہلے سے کٹھن مسئلہ بنا ہوا ہے۔ پہلے راشن خریدا جائے گا۔ پھر فلم دیکھی جائے گی ہر چیز کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں۔ ساتھ ہی سنیما کے ٹکٹ بھی اب پہلے سے مہنگے ہو گئے ہیں اس لئے لوگوں نے فلم دیکھنا کم کر دیا ہے۔ پردہ فلم پر اشتہارات چل رہے تھے جس سے دونوں کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنی باتوں میں مشغول رہے۔

اعجاز آپ اپنی امی سے ملنے نہیں گئے پھر؟ نہیں

امی یاد نہیں آتیں؟ بہت!

پھر ان سے ملنے چلے جایئے نا۔ وہ بھی آپ کے بغیر بہت اداس ہیں۔

آئی تھیں کیا؟ ہاں۔ کیا کہہ رہی تھیں؟

وحید ماما سے کہہ رہی تھیں آپ کو منا کر گھر لے آئیں۔ ہوں۔

اعجاز میری ایک بات مانئے گا۔ کہو۔

گھر چلے جایئے۔ فوزیہ آنٹی کو دیکھ کر میرا دل کٹ گیا۔ کتنی دل گرفتہ اور مایوس اور مضمحل نظر آ رہی تھیں وہ۔ میری وجہ سے کیوں دکھ دے رہے ہیں انہیں آپ۔

نہیں شان۔ میں گھر نہیں جا سکتا۔ مجھے اس گھر سے نفرت ہو چکی ہے بہت صبر کیا۔

صبر کے بند اب ٹوٹ چکے ہیں۔ امی کی فکر نہ کرو۔ مجھے بہت جلد ملازمت ملنے کی امید ہے۔ مکان کا بندوبست ہو گیا ہے۔ میں انہیں اپنے پاس لے آؤں گا۔

مگر اس کی ضرورت کیا ہے۔ کیوں آرام کی زندگی چھوڑ کر میری خاطر اس مصیبت میں پڑ رہے ہو۔ تمہیں پانے کے لئے میں بڑی سے بڑی مصیبت جھیلنے کو تیار ہوں شان یہ تو کوئی مصیبت نہیں۔ امی نہیں مانتیں اعجاز۔ کہتی ہیں یہ کام ہوتا ہے تو آپ کے ابا جان کی مرضی سے ہی ہوتا ہے ورنہ کیا۔ اعجاز کو چکر سا آ گیا میں مجبور ہوں اعجاز۔ اسی لئے کہتی ہوں میرے لئے اپنی

خوشیاں اپنا عیش و آرام برباد نہ کرو۔ میری امی اور آپ کے اباد دنوں اپنی بات پر پورے جلال سے قائم ہیں۔ شان تم اپنی مجبوریوں کو لے کر میرے بغیر شاید زندگی گزار لو۔ مگر میں تمہارے بغیر جی نہیں سکوں گا۔ اعجاز کی آواز بھاری اور گمبھیر تھی۔ ہال میں اندھیرا تھا۔ اس کا چہرہ دکھائی نہ دے رہا تھا۔

ایسا نہ کہیے وہ تڑپ کر بولی۔

کیوں نہ کہوں۔ محبت کی راہ میں ہم بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ میں نے تمہیں اپنی منزل سمجھا ہے راستے میں ہم سے دامن چھڑا رہی ہو۔ یہ ظلم نہ کرو شانو۔ میں جی نہیں سکوں گا۔

تم ہی بتاؤ اعجاز۔ میں کیا کروں۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

میں جو راہ بتاؤں گا اس راہ پر چل سکو گی؟ ہوں۔

پہلے وعدہ کرو کہ پیچھے نہ ہوگی۔ نہیں نہیں۔ وہ گھبرا گئی میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔ بات سنی ہی نہیں اس سے پہلے ہی ڈر گئیں۔ میں سمجھ گئی ہوں اعجاز۔ میں اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکوں گی۔ مجھ میں ہمت نہیں ہے۔ تمہاری ماں نے اپنے پیار کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا۔ تم نہیں چھوڑ سکتیں۔

نہیں اعجاز مجھے اس کیلئے مجبور نہ کرو۔ میں اپنی امی کو چھوڑ نہیں سکتی۔

انٹرول ہوتے ہی ہال کی بتیاں جل اٹھیں۔ دونوں اپنی باتوں میں ہی مشغول تھے پکچر آدھی ختم بھی ہوگئی۔ پتہ ہی نہیں چلا۔ اعجاز بجھا بجھا سا اٹھ کر باہر چلا گیا۔ بتیاں گل ہوئیں تو وہ پھر اپنی سیٹ پر آ بیٹھا فلم ختم ہونے تک اس نے کوئی بات نہیں کی شان بھی خاموش تھی۔ فلم ختم ہوگئی۔ دونوں ساتھ ساتھ سنیما سے باہر نکلے۔ اعجاز نے ایک ٹیکسی روک لی اور شان سے پوچھا۔ اگر

اعتراض نہ ہوتو میں تمہیں گھر چھوڑ دوں رات کے وقت تنہا جانے سے اگر میرا ساتھ اچھا سمجھوتو......شان بغیر کچھ کہے پچھلی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھ گئی۔اعجاز بھی پچھلی سیٹ پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ٹیکسی چل پڑی۔اعجاز خاموش تھا۔ بجھا بجھا سا اداس بیٹھا تھا۔اعجاز ناراض ہو گئے کیا مجھ سے۔

نہیں۔مجھے یہ حق کہاں۔اس نے مدھم سی شکست زدہ آواز میں کہا۔

شان پھر کچھ نہ کہہ سکی۔کہنے کے لئے بات نہیں سوجھ رہی تھی۔اعجاز کی افسردگی اس کے دل کو چیر رہی تھی۔مگر اپنی بے بسی پر اس کا دل گھٹ کر رہ گیا۔

گھر پہنچنے تک دونوں کے درمیان ایک ناگوار خاموشی چھائی رہی۔

اس کا گھر آ گیا۔ٹیکسی رک گئی۔اعجاز پہلے اتر کر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔شان اتری۔اس نے اعجاز کو اندر آنے کیلئے کہنا چاہا۔مگر کچھ سوچ کر چپ ہو گئی۔اعجاز پھر ٹیکسی میں بیٹھ گیا اور گلوگیر سی آواز میں بولا۔شان تم چاہے راستہ بدل لو مگر میں تمہیں اپنی منزل ہی سمجھتا رہوں گا۔میری منزل تم ہو۔جاؤ خدا حافظ۔

ڈرائیور گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔وہ بوجھل قدموں سے اندر چلی آئی۔کھانے پر ماں انتظار کر رہی تھی اس نے کہہ دیا بھوک نہیں ہے اور اپنے کمرے میں لباس تبدیل کئے بغیر ہی بستر پر گر پڑی اور تکیہ میں منہ دے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اعجاز میں تم سے شدید محبت کرتی ہوں۔میں تمہارے لئے اپنی جان دے سکتی ہوں۔مگر اپنی محبت کو رسوا نہیں کر سکتی۔اس کے لئے مجھے مجبور نہ کرو۔

وحید اور عادل ہوائی جہاز سے امریکہ روانہ ہو گئے۔ اسی دن وحید کی کار میں شبانہ شان اور دلاری کو لیکر اپنے ابو کے گاؤں شیخ پورہ آ گئی۔ وحید نے پہلے سے اطلاع دے دی تھی۔ بھولا گیٹ پر کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ شبانہ کو دیکھتے ہی وہ بیتابی سے آگے بڑھا اور میری شیبا بیٹی کہتے ہوئے اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا پھر شان کی طرف دیکھا تو شبانہ بولی یہ میری بیٹی ہے شان بھولا نے اسے بھی سینے سے لگایا۔ سر ماتھا چوم کر دعا دیتے ہوئے دونوں کو اندر لے آیا۔

ابو کہاں ہیں بھولا۔

اوپر والے کمرے میں ہیں۔ بڑی دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

بھولا۔ ابو تو مجھ سے بہت ناراض تھے۔ انہوں نے مجھے کیسے معاف کر دیا۔

اپنی اولاد سے کوئی کب تک خفا رہ سکتا ہے بیٹی۔ برسوں کے بعد سہی۔ باپ کا دل تھا پسیج گیا۔ ان کا دل تم سے بگاڑے رکھنے کی ذمہ دار تمہاری نئی ماں تھیں۔ ان کے فوت ہونے کے بعد ہمارے صاحب کے دل سے تمہارے خلاف جو غبار بھرا ہوا تھا جاتا رہا۔ اگر وہ حیات ہوتیں تو اب بھی ....

نہیں بھولا۔ انہیں کچھ نہ کہو۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔

بھولا کے ساتھ شبانہ اور شان اوپر شوکت صاحب کے کمرے میں جا پہنچیں۔

شوکت صاحب ہڈیوں کا ڈھانچہ بنے بستر پر آنکھیں بند کیے پڑے

تھے۔شبانہ کی نگاہ باپ کے پلنگ کی طرف گئی تو وہ سرتاپا کانپ گئی۔

بھاری بھرکم جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔بارعب سرخ وسفید چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا۔

صاحب۔شیبا بیٹی آگئی ہے۔بھولا نے کہا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

ابو۔شبانہ اُن کے قریب گئی۔

میری بیٹی تم آگئیں۔ان کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

شبانہ بے قرار ہو کر آگے بڑھی اور پلنگ پر ان کے قریب بیٹھ کر اپنا سر باپ کی چھاتی پر لٹکا دیا اور رو پڑی۔

ابو۔مجھے معاف کر دیجئے میں نے غلطی کی۔آپ کو بہت دکھ دیا۔

نہیں میری بچی تو نے مجھے کوئی دکھ نہیں دیا۔میں نے ناحق تم پر ظلم کیا غلطی بھی تمہاری نہیں تھی۔میری تھی۔میں نے تمہارے جذبات کی پرواہ نہیں کی۔اپنے اختیارات کو حد سے زیادہ وسیع سمجھ لیا۔شوکت صاحب نے گلوگیری آواز میں کہا اور اپنے دونوں بازو بیٹی کے گرد حمائل کر دیئے اور اس کی پیشانی پر پوری شفقت سے بوسہ دیا۔

شبانہ کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے ابو نے اتنے پیار اور شفقت کا اظہار کیا تھا اس پیار کیلئے وہ بچپن میں کتنی ترسی تھی آج اچانک ان کا اتنا پیار پا کر اُسے مانو دو جہاں کی دولت مل گئی۔

عادل نہیں آیا۔مجھے اس سے بھی معافی مانگنی تھی۔شوکت صاحب نے پوچھا۔

عادل کو وحید بھیا امریکہ لے گئے ہیں۔ شبانہ نے جواب دیا۔

ہاں۔ ہاں علاج کیلئے نا۔ جانے سے پہلے وحید آیا تھا۔ میں اس سے سب سن چکا ہوں۔

صاحب یہ آپ کی نواسی کھڑی ہے اس سے نہیں ملئے گا۔ بھولا نے شان کو ان کے قریب لاتے ہوئے کہا۔

ارے یہ تو ہو بہو اپنی انجم کی سی ہے۔ انہوں نے شان کی خوبصورت من موہنی صورت دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔ آؤ بیٹی یہاں بیٹھو۔ میرے پاس شان بھی اُن کے قریب پلنگ پر بیٹھ گئی تو انہوں نے اسے خوب بھینچ بھینچ کر پیار کیا اور بڑی دیر تک اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرتے رہے۔ پھر بولے جاؤ یعنی آرام کرو۔ سفر کی تکان ہو گی۔

شان اٹھ کر بھولا کے ساتھ اس کمرے میں آگئی جو اس کے لئے بھولا نے پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔

ابو۔ شان کے جانے کے بعد شبانہ نے پوچھا آپ نے ہمارا قصور دل سے معاف کر دیا ہے نا۔

ہاں بیٹی۔ تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔ دراصل میں نے تم سے بڑی زیادتی کی۔ دعا کرنا۔ خدا میرے کئے کی معافی بخشے۔

ابو نے اس کا قصور دل سے معاف کر دیا۔ یہ سن کر شبانہ کے سینے میں مسرت کی لہریں اٹھنے لگیں۔ اُسے کہاں امید تھی کہ وہ زندگی میں ابو سے مل سکے گی پھر ابو اس کا اتنا بڑا قصور معاف کر دیں گے۔

جاؤ بیٹی تم بھی آرام کرو۔

ابو۔آپ کچھ پئیں گے نہیں۔

وقت پر بھولا بنا کر لے آئے گا۔دودھ ہارلکس۔فروٹ، جوس چائے، کافی یہی کچھ پیتا ہوں، کھانا تو دو سال سے نہیں کھایا۔

وہ کیوں ابو۔بھوک نہیں لگتی۔

بہت کم۔کوئی چیز ہضم نہیں ہوتی۔زبردستی کچھ کھا لیتا ہوں تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔اس لئے کھانا ہی چھوڑ دیا۔دو دو گھنٹے کے وقفہ سے کچھ نہ کچھ پی لیتا ہوں۔

ابو۔آپ شہر چل کر اپنا علاج کرائیے نا۔یوں کب تک چلے گا۔

وحید اور انجم بھی یہی کہتے ہیں۔اب تم بھی کہتی ہو۔تو چلا چلوں گا۔ واقعی اب یہاں اکیلے پڑے رہنے سے اچھا ہے اپنے بچوں کے قریب رہوں۔

ابو نے اس کی بات مان لی۔وحید اور انجم تیسرے شاہ انکل تینوں ابو کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے وہ گاؤں چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔اب اس کے ایک ہی فقرے سے پگھل گئے۔

شبانہ کی خوشی کی حد نہ رہی۔جذبات وعقیدت سے اس کا دل لبریز ہو گیا۔اس نے ابو کا سر دہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آنکھوں سے لگایا پھر چوم لیا پھر کمرے میں سے چلی گئی۔

دن بیتتے گئے۔ شبانہ اور شان کو گاؤں آئے ہوئے بہت روز ہو چکے

تھے۔شبانہ یہاں خوش اور مطمئن تھی۔گھر کے فرائض اس نے اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔ابو کی ہر خدمت اب وہی کر رہی تھی۔ان کا ہر کام وہ خود کرتی۔ گوشت اور سبزی کے سوپ بنا کر اپنے ہاتھ سے انہیں پلاتی۔وہ دن رات کمرے میں پڑے رہتے تھے۔اب وہ صبح وشام انہیں باغیچے میں نہلانے کیلئے لے جاتی۔غرض وہ ان کی ایسی خدمت کر رہی تھی کہ جیسی آج تک ان کی کسی نے نہ کی ہو۔شوکت صاحب بھی اب اپنی اس بیٹی پر فدا تھے۔ہر وقت اسے اپنے قریب دیکھنا چاہتے تھے کسی کام کے لئے وہ تھوڑی دیر کیلئے باہر چلی جاتی تو فوراً ملازم کو بھیج کر بلا لیتے اور اپنے پاس بٹھا کر بڑی شفقت سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے رہتے۔اُسے ابو کی محبت اب بے انتہا مل رہی تھی وہ اس کی تو بچپن سے بھوکی تھی۔

البتہ شان یہاں آ کر پہلے سے بھی زیادہ اداس رہنے لگی۔ماں اپنے ابو کی خدمتوں میں اپنے آپ کو بھولے ہوئے تھی۔دلاری نے یہاں کی ملازمہ درگا سے بڑی دوستی پیدا کر لی تھی۔دونوں خوشی خوشی ساتھ مل کر کام کرتیں اور فرصت کے اوقات باغیچے میں جا بیٹھتیں اور ہنس ہنس کر باتوں میں کھو جاتیں۔

ایک اکیلی شان تھی جو دن بھر یا تو کمرے میں پڑی رہتی یا چمن میں کسی گھنے درخت کے سائے میں کرسی ڈال کر بیٹھی رہتی۔دو چار روز کے لئے انجم آ گئی تھی تو اس کے بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے میں شان کو بڑا مزا آیا۔وہ لوگ چلے گئے تو پھر وہی تنہائی اور اداسی ہر دن پہاڑ سا لگ رہا تھا جیسے وہ بڑی مشکل سے کاٹ رہی تھی۔

سب سے بڑھ کر اعجاز کی یاد اسے بے چین کئے ہوئے تھی۔وہاں

ہوتی تو شاید پہلے کی طرح کہیں نہ کہیں سرِ راہ اعجاز سے ملاقات ہو جاتی۔ اس کی بات سے کتنا مایوس ہو گیا تھا وہ۔ اپنی بات پر وہ بعد میں خوب پچھتائی وہ اعجاز کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس کی زندگی بن چکا تھا اس کے مستقبل کا سہانا خواب تھا وہ۔ ایک بار اسے مل کر یقین دلا دینا چاہتی تھی کہ وہ اس کے لئے سب کچھ چھوڑنے پر اپنے آپ کو تیار کر چکی ہے۔ ہر رشتہ داری سے بڑھا ہوا رشتہ جو اس سے استوار کر چکی تھی۔ سب سے پیارا لگ رہا تھا مگر اعجاز کہاں تھا۔ جانے وہ اس سے کب مل سکے گی وہ یہی سب کچھ سوچتی ہوئی چمن میں ٹہل رہی تھی۔ گیٹ کھلنے کی آواز آئی تو اس کی نظر گیٹ کی طرف اٹھی۔ سامنے اعجاز کو دیکھ کر وہ پھول کی طرح کھل اٹھی مگر دوسرے ہی لمحہ اس کا کھلا ہوا چہرہ مرجھا کر سیاہی مائل ہو گیا۔

اعجاز بڑا افسردہ اور مغموم دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پہلے سے بہت کمزور بھی ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پر مایوسی اور بے چارگی اتنی نمایاں تھی کہ شان کا دل اسے دیکھتے ہی دھک سے رہ گیا۔ ہمیشہ خوش و خرم ہونٹوں پر سدا مسکراہٹ لئے رہنے والا اعجاز افسردگی کی تصویر بن کر رہ گیا تھا۔ اسے اس حالت کو پہنچانے کی ذمہ داری خود تھی اسے اپنے آپ پر بڑا غصہ آیا۔

کیا سوچ رہی ہو۔ اعجاز نے قریب آ کر پوچھا۔ میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا کیا؟ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم یہاں ہو۔ اگر معلوم ہوتا تو نہ آتے۔ شان نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

پھر بھی آنا ہی پڑتا۔ وحید بھائی جان کا حکم ٹالا جا سکتا ہے بھلا۔

آپ کو یہاں وحید ماما نے بھیجا ہے۔ مگر وہ تو امریکہ گئے ہوئے ہیں۔

کل شام کے طیارے سے آ گئے ہیں۔
آ گئے۔ یہاں کوئی اطلاع بھی نہیں۔ شان نے خوش ہو کر پوچھا۔
وہ ان کی پرانی عادت ہے۔ دوسروں کو چونکانے میں انہیں بڑا مزہ آتا ہے۔
آپ نے ابو کو دیکھا۔ کیسے ہیں میرے ابو۔ اچھے ہو گئے کیا خوشی کے مارے اس نے کئی سوال کر ڈالے۔
نہیں۔ تمہارے ابو کو میں نے نہیں دیکھا۔ کل یہاں آ جائیں گے۔ دیکھ لینا۔
چھوٹی بی بی جی۔ سرکار آپ کو اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔
تم چلو۔ میں آتی ہوں۔
ملازم چلا گیا شان اور اعجاز اوپر شوکت صاحب کے کمرے کی طرف چل دیئے۔
دونوں کو ساتھ ساتھ اوپر جاتے بھولا نے دیکھا۔ تو اس کی نظروں نے اس جوڑی کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا۔
سلام عرض کرتا ہوں چاچا جی۔ اعجاز نے پہنچتے ہی کہا۔ پھر شبانہ کی طرف دیکھ کر سلام خالہ جان۔
یوں غیر متوقع طور پر اعجاز کو دیکھ کر شبانہ چونک پڑی یہ کیونکر آ گیا۔
اعجاز بیٹے تم کب آئے۔ کوئی اطلاع تو نہیں ملی۔
شوکت صاحب نے بھی اسے دیکھ کر حیران ہو کر پوچھا۔
وحید بھائی جان ملے تھے۔ انہوں نے کہا آپ مجھے یاد کر رہے ہیں۔

شوکت صاحب صرف مسکرا دیئے۔ وہ وحید کی شرارت سمجھ گئے تھے۔
وحید بھیا آ گئے ہیں کیا؟ شبانہ نے بیتابی سے پوچھا۔
جی آ گئے ہیں۔ کل شام سے پہلے یہاں پہنچ جائیں گے۔ اعجاز نے جواب دیا۔
عادل کیسے ہیں۔ شبانہ نے پوچھا۔
میں نے عادل چچا کو نہیں دیکھا۔ وحید بھائی جان سے پوچھا تو انہوں نے صرف اتنا کہا کہ دیکھو گے تو پہچان نہ سکو گے۔ اعجاز نے مسکرا کر جواب دیا۔
پھر شوکت صاحب سے پوچھا۔ آپ نے مجھے کیوں یاد فرمایا ہے میرے لائق کوئی خدمت ہو تو......
تم سے کام ہے۔ شوکت صاحب نے مسکرا کر کہا۔ ہماری شان بیٹی آئی ہے جب سے اکیلی بہت اداس رہتی ہے۔ گاؤں میں اس کا جی نہیں لگتا۔ تم ہو گے تو میری بیٹی کو فٹن میں کہیں گھمانے لے جاؤ گے۔ اس خیال سے بلا لیا تھا۔
جاؤ بیٹی۔ اعجاز کے ساتھ ذرا گھوم آؤ۔ وہ شان سے مخاطب ہو کر بولے۔ یہاں شہر کے سے ہنگامے نہیں ہیں۔ مگر قدرتی مناظر تمہیں شہر کی رنگینیوں سے کئی درجہ اچھے لگیں گے۔
شان نے اجازت طلب نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔
شبانہ نے سر جھکا لیا اور مدھم سی آواز مین بولی۔
ابو کہہ رہے ہیں تو جاؤ۔

دونوں چلے گئے تو شوکت صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔

دونوں کو ساتھ بھیجنا تمہیں پسند نہیں کیا۔ بہت پرانے خیالات کی ہو گئی ہو۔ ڈرو نہیں۔ اعجاز بہت شریف لڑکا ہے مجھے اس پر بھروسہ نہ ہوتا تو ہرگز نہ بھیجتا۔

یہ بات نہیں ابو۔

پھر۔۔۔

یہ بھی لمبی کہانی ہے۔

میں بھی سنوں۔

شبانہ نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

میں یہ قصہ وحید سے سن چکا ہوں۔ وہ سارا پروگرام مکمل کر کے گیا ہے۔

کیسا پروگرام۔

دونوں کو ایک کرنے کا۔ شوکت صاحب مسکرا کر بولے۔

اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے اعجاز کو یہاں بھیجنا۔

اوہ۔ بڑے شریر ہیں وحید بھیا بھی۔ شبانہ مسکرا دی۔

جوڑ کتنا موزوں ہے۔ جب بھی میں اعجاز کو دیکھتا تھا۔ تب تب میرے دل میں یہ خواہش جاگ اٹھتی تھی کہ کاش انجم کی لڑکی جوان ہوتی تو میں اس خوبرو اور نیک سیرت لڑکے کو اس کے لئے حاصل کر سکتا۔ شاہ سے ذکر کیا تو وہ ہنس دیا۔ فرحت میری خواہش کی تکمیل کرا دی۔ انجم کی بیٹی نہ سہی تمہاری بیٹی۔ بات تو ایک ہی ہے۔

مگر ابو۔ میری بیٹی کیلئے شاہ انکل مانیں گے تب نا۔

کیا بات کرتی ہو۔ شیبا۔ شاہ کی مجال ہے جو مجھے انکار کر دے۔ وہ میرا بڑا پیارا دوست ہے۔ اس ویرانے میں ایک وہی تو ہے جو بار بار آ کر میرا خیال رکھتا ہے۔ میری ضرورت کی ہر چیز برابر شہر سے پہنچاتا رہتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ میرا کوئی سگا بھائی ہوتا تو وہ بھی میرے لئے اتنا نہ کرتا۔ میں اس سے رشتہ بڑھانا چاہتا ہوں۔ تو کیا وہ انکار کر دے گا۔ ناممکن۔

آپ نہیں جانتے ابو۔ وہ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ لڑکا گھر سے چلا گیا اس کی بھی انہوں نے پرواہ نہیں کی۔ وہ مجھ سے سخت ناراض ہیں۔

مجھے سب معلوم ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ اس نے میری ہر بات پر سر جھکایا ہے۔ دیکھ لینا یہ بھی چپ چاپ مان لے گا۔ تمہیں اگر اعتراض نہ ہو تو شادی کی تقریب یہیں ہو۔

میرے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ شبانہ اپنی بے پناہ خوشی کو دل کی گہرائیوں میں سمو کر بولی۔

اعجاز۔

ہوں۔

یوں کب تک مجھ سے ناراض رہو گے۔

کہہ تو دیا۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔

پھر یہ خاموشی کیسی؟ منہ تو دیکھو کیسا پھولا پھولا ہے اور کہتے ہو ناراض نہیں ہوں۔

اعجاز افسردگی سے ہنس دیا۔

کچھ بات کرونا۔

کیا بات کروں۔ کوئی بات کہنے کی باقی نہیں رہی۔ تم اپنے فیصلے پر قائم ہو۔ بڑے اپنے فیصلوں پر، جب کوئی امید ہی نہیں رہی تو کیا بات کروں وہ ہونٹوں پر پھیکی مسکراہٹ لاکر بولا۔

اگر میں اپنا فیصلہ بدل دوں تو......

یقین نہیں آتا۔ امی کو کیسے چھوڑو گی۔

اعجاز۔ شان نے اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیا اور بولی۔ آپ کے بغیر مجھ سے جیا نہیں جاتا۔ میں اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور ہوگئی ہوں۔ میں تیار ہوں۔ جہاں بھی لے جایئے میں آپ کی ہوں۔

شانو۔ کیا دل سے کہتی ہو۔ اعجاز کا دل خوشی سے بھر گیا۔

شان نے سر کے اشارے سے ہاں کہی۔

امی کی جدائی برداشت کرسکوگی۔ شاید زندگی میں امی پھر تمہارا منہ دیکھنا بھی پسند نہ کریں۔

شان کی آنکھیں بھر آئیں۔ بس یہی ایک خیال ایسا ہے جو بار بار میرے فیصلہ کو ڈانواڈول کردیتا ہے مگر اب میں نے فیصلہ کرہی لیا ہے۔ آپ کی خاطر اپنی امی کو چھوڑ............

مگر وہ فقرہ مکمل نہ کرسکی۔ اس کی آواز رندھ گئی اور انتہائی ضبط کے باوجود رو پڑی۔

شان کو روتے دیکھ کر اعجاز کا دل بھی بھر آیا۔ ماں کی جدائی کا غم خود اس

کے دل کو چیر رہا تھا۔ وہ مرد تھا۔ ضبط کیے ہوئے تھا۔ ضبط کی جو بھرپور طاقت
خدا نے مرد کو بخشی ہے وہ عورت کو نہیں ملی۔ کمزور دل کی عورت اگر رو نہ دے تو
دل کا بوجھ اس کے لیے ناقابل برداشت بن جائے۔

وہ شان کے دل کی حالت سمجھتا تھا۔ وہ نہ ماں کو چھوڑ سکتی تھی۔ نہ اپنے
محبوب کو چھوڑنے کی اس میں ہمت تھی۔ چکی کے دو پاٹوں کے بیچ وہ پسی
جا رہی تھی۔

شانو۔ اعجاز نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

اعجاز۔ میں کیا کروں۔ وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

شانو میں تمہاری مجبوری سمجھتا ہوں۔ تم پر یہ ظلم میں نہیں کروں گا۔ ہم
انتظار کریں گے۔ خدا بڑا رحم والا ہے۔ وہ چاہے تو ہماری اجڑی ہوئی دنیا میں
پل بھر میں بہار لا سکتا ہے۔ اس کی آواز میں خلوص تھا۔

اعجاز کی بات سن کر شان کے دل کا بار ہلکا ہو گیا۔

اعجاز۔ اس نے وفور مسرت سے اپنا سر اعجاز کے سینے پر لٹکا دیا اور
بولی۔ مجھ سے کبھی ناراض نہ ہونا۔ میں آپ کی ناراضگی اور روٹھا روٹھا سا رویہ
برداشت نہیں کر سکتی۔

پگلی میں نے تم سے ناراض کبھی نہیں تھا۔ زندگی درد سے ہمکنار تھی تو
دل بھی اداس اور بجھا بجھا سا تھا جسے تم نے ناراضگی سمجھ لیا۔

سچ۔ شان نے خوشی سے پوچھا۔

سولہ آنے۔ اعجاز نے اس کا سر پیار سے تھپتھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

چلو اب گھر چلیں۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔

ڈیڑھ ماہ کے قریب ماہرین نفسیات کے زیر علاج رہنے کے بعد

عادل واپس لوٹا تو اس کی صحت بہت اچھی ہو چکی تھی۔ ٹانگ نقلی سہی مگر وہ لاٹھی

کے سہارے مزے سے چل پھر سکتا تھا۔ عادل روحانی طور پر بہت خوش تھا۔

چہرے سے زردی غائب ہو چکی تھی۔ رنگ خاصی سرخ ہو رہی تھی۔

عادل کی صحت کو دیکھ کر شبانہ کو بڑا اطمینان ہوا۔ وہ وحید کی حد سے

زیادہ شکر گزار تھی۔

اس وقت شوکت صاحب کی پوری فیملی ان کے کمرے میں موجود تھی۔

وحید اور انجم شیبا اور عادل اپنے بچوں کو پلنگ کے ارد گرد دیکھ کر وہ بہت خوش

ہو رہے تھے۔ عادل کو انہوں نے بستر پر اپنے قریب بٹھا رکھا تھا اور ان کا ہاتھ

بڑی شفقت سے عادل کی پیٹھ پر پھیر رہا تھا۔

ابو۔ وحید نے کہا۔ آج شام تک شاہ انکل اپنی بیگم کے ساتھ پہنچ رہے

ہیں۔ اب انہیں منانا آپ کا کام ہے۔

اچھا۔ اُسے بھی دعوت دے آئے۔ شوکت صاحب نے مسکرا کر

پوچھا۔

دعوت کیسی؟ میں نے کہہ دیا۔ آپ بلا رہے ہیں۔ بہت ضروری کام

ہے۔

بہت جلد باز ہو وحید بیٹے تم بھی۔ ایسی جلدی بھی کیا تھی۔

نیک کام میں دیر کیسی؟ میں تو چاہتا ہوں بس جلدی سے یہ کام

ہو جائے۔ فوزیہ پچی بیٹے کی جدائی کے غم میں گھل گھل کر ختم ہو رہی ہیں۔ مجھ سے ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔

میں شاہ کو ایسا ضدی اور سخت دل نہ سمجھتا تھا۔ شوکت صاحب نے کہا۔

شاہ انکل کی لگام آپ کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ یہ نیک کام صرف آپ کے بس کا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے کر ڈالئے ابو۔ اب دیر نہ ہونے دیجئے وحید نے ایسے منت بھرے لہجہ میں کہا۔ جیسے یہ کام اس کا اپنا ہو۔

شبانہ اور عادل خاموش بیٹھے عقیدت بھری نظروں سے اس نیک دل انسان کو دیکھ رہے تھے۔ جو دوسروں کیلئے اتنا دردمند دل رکھتا تھا۔

شبانہ کی آنکھوں میں اپنے بھیا کے لئے بے پناہ پیار اُمڈ آیا۔ دل میں چھپے پیار کے موتی آنسوؤں کے دو قطرے بن کر پلکوں میں آ گئے۔

شاہ کو راضی کرنا میرا کام ہے۔ تم لوگ تیاری شروع کرو۔ شوکت صاحب نے مسکرا کر کہا۔

تیاری کیسی کرنی ہے فی الحال۔ انگوٹھیاں تیار ہیں۔ مٹھائی میں شہر سے لایا ہوں۔ منگنی کے لئے باہر سے کسی کو مدعو نہیں کرنا ہے۔ کیوں شیبا؟

جیسی آپ کی مرضی بھیا، شبانہ نے جواب دیا۔

میں تو منگنی کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا۔ بس اسی ہفتہ بیاہ ہو جائے۔ پھر ہم سب ساتھ شہر چلیں گے۔ جشن وہاں منائیں گے۔ شوکت صاحب نے اپنی رائے دی۔

آپ شہر چلیں گے۔ وحید اور انجم نے ایک ساتھ خوش ہو کر پوچھا۔

ہاں۔ اب میں اپنے بچوں کے قریب رہنا چاہتا ہوں۔ اگر تم دونوں کو

کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اپنی شیبا بیٹی کے ساتھ رہوں گا۔ میری خدمت جیسی
میری شیبا کر سکتی ہے کوئی اور نہیں کر سکتا۔

ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے ابو___ خوشی کی بات ہے ہم تو صرف یہ
چاہتے تھے کہ آپ یہ ویرانہ چھوڑ دیں۔ وحید نے کہا۔

ابو کا ارادہ سن کر شبانہ کی آنکھوں میں خوشی کی چمک آ گئی۔ اچانک ہی
اسکی اندھیری راہوں میں ایک کے بعد ایک کتنے ستارے یک بارگی جگمگا اٹھے
تھے۔ اس کے دل کی دھڑکنوں میں مقید کتنے خوف تھے جو اچانک دور ہو گئے۔
عادل کی صحت مل گئی۔ بیٹی کا مستقبل اس کی خواہشوں کے سانچے میں ڈھلنے
جا رہا تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اس کے اپنے ابو اسے مل رہے تھے
وہ ان کی جی بھر کر خدمت کر سکتی تھی جس کے عوض میں ان کی دعائیں جس سے
وہ اب تک محروم تھی۔ اسے ملنے والی تھیں۔ زندگی میں اب کس بات کی کمی رہ
گئی تھی۔

شیبا کس سوچ میں ہو۔ وحید نے پوچھا۔ تو وہ چونک پڑی۔ پتہ نہیں
بھیا___ اچانک ملی ہوئی خوشیوں کا حساب کر رہی ہوں۔

پگلی۔ دکھ کے بعد سکھ کی گھڑیاں آتی ہیں تو ایسے ہی خوشیوں کی بارش
ہونے لگتی ہے۔ وحید نے اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا اور باہر
جانے لگا تو شوکت صاحب نے پوچھا۔ کہاں چلے ہو۔

ذرا لیلیٰ مجنوں کو خوشخبری سنا دوں۔ وحید نے کہا۔ اور ہنس دیا۔

رہنے دو بھیا۔ وقت آنے پر خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

یہ اچھی رہی۔ خوشی کے اصلی حقدار اپنے اپنے کمروں میں بجھے بجھے

سے بیٹھے ہیں اور ہم یہاں خوش ہو رہے ہیں۔ یہ بے انصافی ہے جو بزرگوں کے شایان شان نہیں۔

وحید نے ناراض ہو کر کہا تو سب ہنس دیئے۔

شاہ تم انسان ہو کہ پتھر۔ اکلوتا بیٹا گھر سے چلا جائے۔ بیوی گھل گھل کر آدھی رہ جائے اور تمہیں پرواہ ہی نہیں۔ فوزیہ کو دیکھ کر میں، پہچان ہی نہ سکا۔ اعجاز ہے تو اس کا برا حال ہے یہ سب کیا ہے۔

ماں بیٹا دونوں اپنی ضد پر اڑے رہ کر خراب ہو رہے ہیں۔

تو میں کیا کروں۔

کیسی بات۔ شوکت صاحب نے انجان بن کر پوچھا۔

اعجاز شیبا کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اشفاق صاحب نے ذرا غصے سے کہا۔

تو کیا ہوا __ شوکت صاحب نے نرم لہجہ میں پوچھا۔

میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔

کیوں بھلا __ شیبا نے تمہارا کیا بگاڑ دیا۔ شوکت صاحب نے اس سے نرم لہجہ میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

اشفاق صاحب نے ذرا حیرت سے دوست کی طرف دیکھا اور کہا۔

شیبا سے آپ ناراض ہیں۔ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ جس سے آپ نفرت کرتے ہیں۔ اس سے میں رشتہ جوڑ لوں۔ یہ ناممکن ہے۔ چاہے فوزیہ

مر جائے۔ اعجاز عمر بھر گھر نہ آئے ___ شوکت بھائی آپ کے دشمن میرے دوست نہیں بن سکتے۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آواز میں ہلکی سی تھرتھری آ گئی۔

دوست کی اتنی محبت دیکھ کر شوکت صاحب کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

انہوں نے پیار بھری نظروں سے اپنے عزیز دوست کو دیکھتے ہوئے کہا۔ شاہ! میں اب اپنی بچی شیبا سے ناراض نہیں ہوں۔ چاہتا ہوں تم بھی اپنی ناراضگی ختم کردو۔

کیا۔ شاہ نے حیرت سے پوچھا۔ آپ تو اس کا نام بھی سننے کے روادار نہ تھے۔

ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔ مگر باپ ہو کر میں کب تک اپنے خون سے ناراض ہوسکتا۔ میں نے اسے معاف کر دیا۔ تم بھی معاف کر دو۔

یہ سنتے ہی اشفاق صاحب کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ آپ نے اسے معاف کر دیا۔ کہاں ملی وہ آپ کو۔

مل گئی۔ اب وہ میرے پاس ہے۔ شوکت صاحب نے افسردگی سے کہا۔ اس کی زندگی کی خوشیوں میں آگ لگانے والا کوئی اور نہیں تھا۔ باپ ہو کر میں نے خود یہ ظلم کیا ہے۔

یہ دکھ مجھے دن رات کھائے جا رہا ہے۔ اور اسی لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنی بچی کو میں نے جتنے دکھ دیئے ان سب کی اب تلافی بھی کر دوں۔

اشفاق صاحب خاموش سر جھکائے بیٹھے تھے۔

شاہ میرے دوست۔ میں اپنی بچی شان کو تمہارے گھر کا سنگھار بنا کر تم سے ایک اور رشتہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرے سمدھی بننا پسند نہ کرو گے۔

شوکت صاحب نے دوست کے شانہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا کیا کہتے ہو۔

شوکت بھائی۔ میں کبھی بھی آپ کے حکم سے باہر نہیں ہوں۔ جب آپ کو یہی منظور ہے تو مجھے بھی انکار نہیں ہے۔ میں آپ کے احسانات کے آگے سر نہیں اٹھا سکتا۔ آپ کی ہر بات میرے لئے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔

اشفاق صاحب نے کہا اور ساتھ ہی ان کی آواز بھرا گئی۔ شاہ میں نے تمہیں ہزار بار منع کیا ہے احسان کی بات نہ کرو۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنا حقیقی بھائی سمجھا ہے۔ تم نے بھی سگے بھائی سے بڑھ کر میرا خیال رکھا ہے۔ مجھے تمہاری محبت اور پر خلوص دوستی پر ناز ہے۔

تبھی وحید کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے ملازم تھا۔ اس کے ہاتھ میں مٹھائیوں کی بڑی سی ٹرے تھی۔ وحید بیچ میں پڑی ہوئی بڑی میز پر مٹھائیوں کی پلیٹیں سجانے لگا۔ تو اشفاق صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔ وحید میاں یہ سب کیا ہے۔

سمدھیوں کا منہ مٹھائی سے بھرنے کا بندوبست کر رہا ہوں۔

اشفاق صاحب مسکرا دیئے۔ اور شوکت صاحب نے ہنستے ہوئے کہا بھئی سمدھی تو یہاں ایک ہی بیٹھا ہوا ہے۔ یہ اکیلا کھائے گا یہ سب۔

اکیلے کیوں۔ سمدھن بھی آ رہی ہیں۔ وحید نے کہا اور ہنس دیا۔

تب ٹھیک ہے۔ تم ایسا کرو سب کو بلاؤ۔ آج بڑی خوشی کا دن ہے۔ سب مل کر منہ میٹھا کریں گے۔ شوکت صاحب نے کہا۔

ابھی لاتا ہوں سب کو۔۔۔ ثمینا کو گھسیٹ کر لانا پڑے گا۔ شاہ انکل کی

سمن تو ان سے پردہ کرنے کی سوچ رہی ہے۔ وحید نے کہا۔ اور جا کر بچ بچ سب کو کمرے میں لے آیا۔

اعجاز ایک مجرم کی طرح سر جھکائے کمرے میں داخل ہوا۔ پورے چار ماہ کے بعد وہ باپ کے سامنے کھڑا تھا۔ بیٹے کا زرد چہرہ اور دبلا پتلا جسم دیکھ کر ان کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ وہ اس نمی کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے منہ پھیر لیا۔

اعجاز بیٹے۔ اپنے ابا جان کے پاؤں چھو کر معافی مانگو۔ شوکت صاحب نے کہا۔

اعجاز اس ظالم بات سے معافی مانگنے اور اس کے قدموں پر جھکنے کو تیار نہیں تھا۔ مگر شوکت چچا کا حکم تھا۔ جسے وہ ٹال نہیں سکتا تھا۔ اس لئے باپ کے پاؤں چھونے کو جھکا تو اشفاق صاحب نے فوراً اسے تھام کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

میرے بچے۔ میرے اعجاز۔ وہ بڑی شفقت سے اسے اپنے ساتھ لپٹائے جا رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر سامنے کھڑی فوزیہ کے چہرے پر خوشی کا نور چھا گیا۔ وفور مسرت سے اس کا تمام وجود مسکرا اٹھا۔

وحید شیبا کو بھی زبردستی کھینچے ہوئے لے آیا تھا۔ وہ اپنے ابو کے قریب سر جھکائے کھڑی تھی۔

شاہ۔ شوکت صاحب نے آواز دی۔ اب کیا اپنے بیٹے ہی کو لپٹائے کھڑے رہو گے۔ میری شیبا بیٹی کو نہیں ملو گے۔

باپ کا اشارہ پا کر شیبا آگے بڑھی۔ اور چند قدم آگے جا کر رک گئی۔
اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ اشفاق صاحب خود اس کی طرف بڑھے۔ شیبا
نے جھک کر سلام کیا۔ تو انہوں نے دعا دیتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ
دیا۔

وحید بیٹے۔ اب سب کا منہ میٹھا کراؤ۔ شوکت صاحب نے کہا۔
وہ کیسے ابو۔ ضروری رسم تو ابھی ادا نہیں ہوئی۔ وحید نے کہا۔
وہ کیا ــــ مارے خوشی کے وہ اصل بات بھول گئے۔ شان اور اعجاز کو
انگوٹھی پہنانی ہے نا۔ مٹھائی اس کے بعد ہی ملے گی۔ وحید نے ہنس کر کہا۔ اور
شان کو لانے کے لئے کمرے سے باہر چلا گیا۔
چند لمحوں کے بعد وہ شان کو کمرے میں لے آیا۔ دلہن کی طرح سجی
شان حسن کی زندہ تصویر لگ رہی تھی۔
اشفاق صاحب بت بنے اسے دیکھتے رہ گئے۔ پہلے بھی ایک بار دیکھا
تھا مگر آج تو وہ اور بھی حسین دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی جھکی ہوئی پلکیں۔ شرم
وحیا کے بوجھ تلے دبی لرز رہی تھیں۔ اور رخساروں پر شفق سی پھیلی ہوئی تھی۔
بیٹے کے انتخاب کی وہ دل ہی دل میں داد دے رہے تھے کہ شوکت صاحب کی
بات سن کر وہ چونک پڑے۔
شاہ اجازت دیتے ہو۔ میں دونوں طرف سے رسم پوری کر لوں۔
شوکت بھائی آپ کیوں مجھے بار بار شرمندہ کر رہے ہیں۔ میری
اجازت پوچھ کر۔ آپ بس حکم دیا کیجئے۔ اشفاق صاحب نے ذرا ناراضگی کے
لہجہ میں کہا تو شوکت صاحب مسکرا دیئے۔ اور ہیرے کی نفیس انگوٹھی بسم اللہ

کہتے ہوئے شان کو پہنادی۔ پھر اس کے بعد ویسی ہی انگوٹھی اعجاز کو پہنا کر دعا دیتے ہوئے کہا۔ خدا تمہاری جوڑی رہتی دنیا تک سلامت رکھے۔

رسم پوری ہوتے ہی سب نے مبارک باد کہی۔ مبار کباد کی صداؤں میں سب سے بلند آواز بھولا کی تھی۔

وحید نے دولہا دلہن کا منہ میٹھا کرانے کے لئے مٹھائی کی سینی اٹھائی۔ پہلے شان کے منہ میں مٹھائی کا ٹکڑا دیا۔ اور پھر اعجاز کے منہ میں۔

اس کے بعد سب مٹھائی پر ٹوٹ پڑے۔ سب نے خوب پیٹ بھر کر مٹھائی کھائی شوکت صاحب بھی آج اپنا پرہیز بھول گئے۔

شبانہ کا پھول کی طرح کھلا چہرہ دیکھ کر بھولا کو اس پر بے تحاشہ پیار آرہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگنے لگا۔ خدایا تو اسے اتنی خوشیاں دے کہ عرش پر اس کی دادی کی روح جھوم اٹھے۔